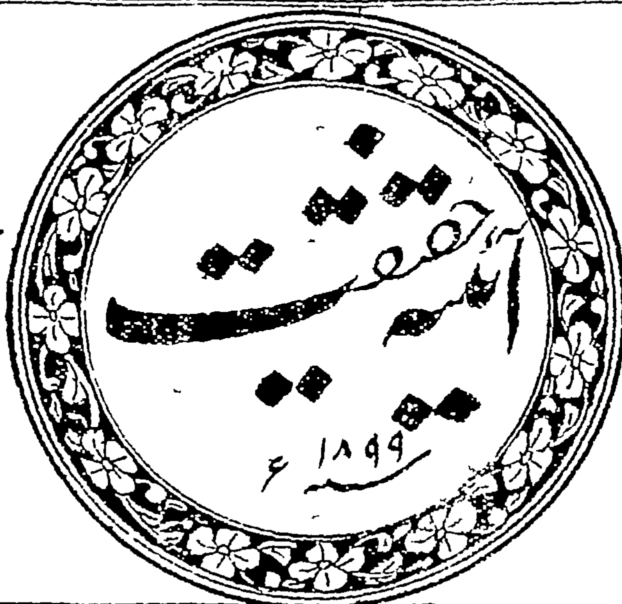
ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ

حسب ایماء مرشد کامل حقیقت آگاہ سری پرم ہنس سوامی گیانا

سرستی نسخہ علم توحید موسوم بہ



من تالیف منشی من موہن لعل صاحب متخلص بہ خوشتر سکرٹری

میونسپل بورڈ متھرا خلف منشی پربھو لعل صاحب رئیس علیگڈھ

در مطبع منبع العلوم پریس متھرا طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادم تت تکسیت

دیباچہ از مؤلف

اسے مرتبہ آشکار و اجمال نہان	در عین عیاں مخفی و در عین نہان
اندر تو ہمہ ماندہ ام ای جان جہان	ہم آنی و ہم اینی نہ این و نہ آں

سجدہ اور تعظیم اوسکو واجب ہے جو کہ زمیں اور آسماں اور دونوں کے درمیاں آشکار اور کل موجودات میں محیط اور جزو کل کا صانع۔ عین ذاتی سراپا نور اور نفس کل جسم کل۔ عقل کل اور تعینات سے منزہ ہے۔ اوسکی ماہیت کے ادراک سے حواس ظاہری اور باطنی معترف بقصور ہیں۔ وہ حق ہے ہستی مطلق ہے۔ ہر مکاں میں ساکن کوئی مقام نہیں جہاں وہ نہیں۔ محیط لامکان ہے۔ تمام موجودات کی روح کائنات کی جان اور حیات ہے۔ مثل دریا کے واحد ہے اور اقسام موجودات مثل امواج دریا اوس میں کثرت ہے۔

اے محیط عالم آپ مبدا اور صفات اور ذات قدیم ہین - آپ اس عالم کے اصلی مخزن ہین - ناظر منظور اور اعلی مقام ہین اور عالم مین محیط ہین آپ کی ذات پاک اس جسم انسانی مین شاہد - علیم - قادر مطلق ہے -

دو عالم چیست نقش صورت دوست	چہ جائے نقش صورت بلکہ خود اوست
بصد آئینہ یکروئے مقابل	اگرچہ صد نماید لیک یک اوست

تصویر اس عالم کی خود بخود بنی ہے - اگر مصور اوس کا فرض کیا جاوے دوئی لازم - عالم کا دل آئینہ حق کا ہے اور دل حق کا آئینہ عالم کا دل آئینہ عالم کا اور حق آئینہ دل کا ہے -

نمود عالم کی حق سے خود بخود ہوتی ہے - اور ظہور وجود عالم کا لازمی اور عادی اور طبعی ہے - خالق اور مخلوق دو نہین -

ذات مین محویت عشق حقیقی ہے عشق حقیقی ذریعہ وصل واجب الوجود ہے -

آئینہ حقیقت کی روشنی مین صاف نظر آتا ہے کہ ذات یگانہ خود ناظر اور منظور بنکر صفات کے پردہ مین عالم کی سیر دیکھہ رہی ہے - فی الحقیقت ایک قوت کل اجسام کے باطن مین محرک ہے اسکی کشش سے کل حرکات ظہور پاتی ہین - یہ قوت ذات واحد بے نام و نشان کا جلوہ ہے اور وہ ذات پاک وسکی ہر ذرہ مین محیط ہے علم توحید کو سب مذہب والون نے افضل العلوم مانا ہے یہ علم سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے - اس رمز کو اہل دل ہی سمجھہ سکتے ہین عقل من ولوا وسکی ادراک سے عاجز و قاصر ہے فہم عارفان ہی حق تک پہونچتی ہے علم عارفان ہے علم ذات ہے اور اون کا کلام کے کلام حق ہے کلام ربانی ہی وہی موسوم ہے اوسی مین قلت الفاظ اور کثرت معنی ہوتے ہین وہ کلام قوت اور اک سے برتر اور افزون ہے موحد ہی اوسکی حقیقت قلب مین مشاہدہ کرتا ہے صرف بطور استعارہ اوسکو بیان کرسکتا ہے -

کل عارفوں نے خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کے ہوں اسی رمز کو مختلف کلمات
میں بیان کیا ہے مگر زمانہ قدیم میں بول چال اور طریقہ زبان حال میں مختلف تھا
اسی علم کے صحیفہ مشتر زبان سنسکرت پائے جاتے ہیں لیکن اوس علم کے جاننے
والے اسوقت بہت کم ہیں صحیفہ ہائے علم توحید کی تفسیریں اور تشریح جو اس
وقت کے عالموں نے کی ہیں وہ بھی زیادہ تر زبان سنسکرت و عربی
و فارسی ہیں۔ لیکن زمانہ کی رفتار نے موجودہ زمانہ کے لوگوں کی طبائع پر
بہت کچھ انقلاب پیدا کر دیا ہے باریک رموز جو متعلق علم توحید و اشراق
ہیں اونکی سمجھ اسوقت بہت ہی کم رہ گئی ہے۔ آج کل کے زمانہ میں تحصیل علم
سنسکرت اور عربی اور فارسی محدود ہو گئی ہے۔ زبان اردو جو عام فہم ہونے
سے زیادہ تر مروج ہے اور اس زبان میں ایسی صحیفہ جن میں اسرار
اشراقی اور رموز معنی بلا کسی تعصب مذہبی مندرج ہوں بہت کمیاب بلکہ
محال بلکہ خیال نہیں۔ اس لئے اس حقیر ہیچمداں نے جس کو عوام سموہن لعل تخلص
رجو شتر موسوم کرتے ہیں یہ صحیفہ آئینہ حقیقت جو کتاب مرآت الوحدت کا
ترجمہ ہے اور جس کے ہر لفظ میں تصوف اور معرفت بھری ہوئی ہے
تالیف کیا تاکہ صاحبان شوق اور طالبان صادق بغرض خود شناسی
اور سرور دائمی حاصل کریں اس کتاب کے ترجمہ میں مولوی عبدالواحد
صاحب ساکن متھرا نے جو امداد دی ہے اوسکا شکریہ احاطہ تحریر سے باہر ہے

راقم پیارے لال سموہن لعل خلف منشی بیر بہو لعل کائستھ ماتھر سکنہ کول ضلع علیگڈہ سیکریٹری
میونسپل بورڈ متھرا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصل اول اثبات وحدت وجود اور نفی اثنینیت مین۔ سوال اول بیان حادث و قدیم مین دوم بیان مکان اور لامکان مین سوم اس بیان مین کہ حق محسوس ہے یا غیر محسوس چہارم اس بیان مین کہ کس طرح خدا بیچون ہے اصل دوم کثرات دنیا کے رفع اور چند سوالون کے جواب اور اثبات وحدت وجود بعبارت دیگر مین۔ سوال اول اضداد کیا ہے دوم موت وحیات کیا ہے سوم اعداد کثرت کسلئے ہے چہارم کیا سبب ہی کہ تمام بنی آدم خدا کو نہین دیکھتے ہین۔ اصل سوم رد کثرات وسوالات عقبےٰ اور اثبات وحدت وجود مین سوال اول پیغمبر کیا ہین دوم قیامت اور حشر اجساد کیا ہے سوم دوزخ وبہشت کیا ہے چہارم اختلاف مذاہب کیا ہے۔ خاتمہ حقیقت انسان وختم کتاب اور اوسکی تاریخ ولتعریف کے بیان مین

اصل اول اثبات وحدت وجود اور نفی اثنینیت مین۔ مخفی نرہے کہ اہل شرع کے نزدیک دو وجود ہین۔ قدیم اور حادث۔ قدیم جسکا اول اور آخر نہو۔ حادث جس مین ابتدا اور انتہا پای جاوے۔ پس اہل شرع کے نزدیک خدا قدیم ہے اور خلق حادث۔ کیونکہ اسکی ابتدا و انتہا ہے۔ پس تحت الثریٰ سے عرش اعظم تک حادث ہی اس درمیان مین کوئی چیز قدیم نہین ہے۔ مگر عرش وکرسی وبہشت وعالم ارواح ابدی ہین یعنی حادث ہوے ہین مگر ہمیشہ رہینگے انکی ابتدا ہے مگر انتہا نہین اور آسمان اول سے تحت الثریٰ تک

اعادہ اعتبار کہتے ہیں۔ یہ سب فنا ہو جاوینگے اور قبروں سے مردے جی اوٹھینگے اور خدا تعالی
سے حساب لیکر نیکوں کو بہشت میں اور بدوں کو دوزخ میں ڈالیگا اسکا نام قیامت ہے
اور اہل شرع کا اعتقاد ہے کہ ملائکہ جن و انس مخلوق خدا ہیں اور اسکی بندگی کرتے ہیں اور
دنیا میں خدا تعالی نے پیغمبر بھیجے ہیں اور آخر کتابیں نازل کیں جن میں سے ہر ایک اپنی امت
کو ہدایت کرتا رہا یہ تمام اصول و اعتقاد اہل شرع کا ہے اگر یہ تفصیل تمام بیان کیجاوے
ایک اور رسالہ تیار ہو جاوے لہذا اختصار کیا۔ نزدیک حکما کے بھی دو وجود ہیں ایک
واجب دوسرا ممکن واجب وہ ہے کہ اپنے قیام میں دوسرے کا محتاج نہو اور ممکن دوسرے
کہ اپنے قیام میں دوسرے کا محتاج ہووے جیسی مخلوق۔ مگر جاننا چاہئے کہ نزدیک حکما کے مخلوق
حادث نہیں ہے بلکہ قدیم ہے۔ پس مطابق اعتقاد حکما کے ممکن مثل واجب کے قدیم
ہے۔ اور ایک دوسرے سے مثل نور و آفتاب کے جدا نہیں ہیں لیکن صرف ہے کہ واجب
ہے ممکن نہیں ہے دونوں مثل آفتاب و اوسکے ضیا کے قدیم ہیں۔ ہرگز جدا نہیں۔
ہر واجب کے لئے ضرور ہے کہ خلق ہمیشہ اوسکے ساتھ ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حق
بے خالق رہی ہو حکما اجرام اعلیٰ اور سافل عالم سے منکر ہیں آٹھ آسمانوں کو آٹھ
جنت اور عرش کو اوسکی چھت اور سات زمینوں کو ہفت اقلیم اور ان زمینوں کو کہ عالم
سفلی ہیں دوزخ کہتے ہیں۔ فرشتوں اور جنوں اور رسولوں سے منکر ہیں حکما کا اعتقاد
ہے کہ اشیا مریاں ناقص ہیں ہمکو انکی کچھ حاجت نہیں بلا انکی وسیلہ کے خدا تک رسائی
ممکن ہے۔ اعتقاد موحدین کا یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور قدیم ہے لیکن ظہورات اسکے
بکثرت ہیں۔ وجود خاص کو لاتعین اور اوسکے ظہور کو تعینات کہتے ہیں۔ اور یہ وجود
مثل بحر کے مدام موجزن ہے۔ اور تعینات اس دریا کے موج و حباب ہیں۔ ہر چند کہ
موج و حباب بظاہر غیر دریا ہیں لیکن حقیقت میں دریا ہیں بیت۔

ما ہمہ دریا و دریا میں ما بودہ وسے ۔۔۔ ماسے اور میان ما و دریا حائل ست

اسیطرح جیسے مخلوق نظر مین غیر خالق ہے لیکن وجود مین عین خالق ہے بیت

صفحہ گیتی پہ ہے جو شے عیان	اسمین ہے جلوہ اُسیکا بے گمان
ہر نقش کہ بر صحیفہ گیتی پیدا است	آن صورت آنکس ست کان نقش ما آراست
دریائے کہن چو میزند موجے نو	موجش خوانند و در حقیقت دریاست

بجز نقطہ وحدت کے کچھہ موجود نہین ہے - بسبب سرعت سیر کے وہی نقطہ دائرہ وہمی دکھائی دیتا ہے - یہ کثرت نمود بے بود ہے - اَلعِلمُ نُقطَةٌ وَّاحِدَۃٌ - علم نقطہ واحد ہے موحدین آخرت اور قیامت کو بھی برحق جانتے ہین مگر بمعنی دیگر حشر اجساد اور متعلقات قیامت اور انبیا علیہم السلام کو برحق جانتے ہین مگر حق جانتی ہین تنزل اول کو خاتم الرسل کہتے ہین لیکن عین حق کہتے ہین - اور باوجود اس تمام کثرت کے ایک وجود کے قایل ہین - اور خلق اور خالق کو ایک سمجھتے ہین یہ تمام اعتقادات موحدون اور صوفیونکا یہ چند سوال معہ جواب کے واسطے انکشاف حقیقت وجود کی ہین - سوال اوّل اسکی کیا دلیل ہے کہ وجود صرف ایک ہے اور جو کچھہ ہے وہ عین حق ہے - کیونکہ عند المتکلمین خدا قدیم ہے اور عالم جدید ہے جب یہ کہا جاوے کہ وجود ایک ہے تو لازم آتا ہے کہ عالم بھی قدیم ہے پس خلق اور خالق ایک ہے اور یہ اونکے نزدیک باطل ہے جواب اگر دو وجود ہوتے تو لازم آتا کہ خدا یا تو داخل عالم ہوتا یا خارج یا متصل یا مقابل - اگر یہ کہا جاوے کہ داخل عالم ہے - تو بالکل خلاف ہے - کیونکہ خدا قدیم ہے اور عالم حادث - قدیم حادث مین نہین داخل ہوسکتا اور یہ حلول باطل ہے پس حق داخل عالم نہین - کیونکہ اگر داخل عالم فرض کیا جائے تو اُسکے لئے مکان اور نفی قدم یا رفع حدث ضروری ہے - یعنی یا تو تمام عالم قدیم ہے یا حق حادث ہے - پس عرش سے ثریٰ تک خدا العالی کسیجگہہ داخل نہین اگر ہوتا تو اوس کے واسطے تعین مکان ضروری تہا اور یہ موافق اعتقاد متکلمین کے لامکان ہے باطل ہے اور اگر

یہ کہا جاوے کہ خدا خارج عالم سے ہے تو یہ بھی محال ہے کہ حق خارج عالم بھی ہو اور
داخل عالم بھی کیونکہ اگر خدا کو خارج عالم فرض کیا جاوے تو خدا یا تو فوق عالم ہے یا تحت
یا یمین یا یسار۔ تو اس سے حق کا متصل عالم اور داخل عالم ہونا ثابت ہوتا ہے۔
اگر حق متصل ہے داخل بھی ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جاوے کہ حق فوق عرش ہے تو اسکے
واسطے مکان اور حدود لازم آتا ہے اور یہ خلاف اعتقاد متکلمین ہے۔ پس اس سے
معلوم ہوا کہ حق فوق عرش نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس تحت عرش بھی نہیں ہو سکتا۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ حق فوق و تحت یمین و یسار عالم کو احاطہ کئی ہوئی ہے۔ تو اس سے
لازم آتا ہے کہ تمام عالم درمیان حق ہے۔ اور جو چیز کہ کسی چیز میں داخل ہوتی ہے
وہ اسکا جزو ہوتی ہے۔ اور جزو غیر کل نہیں ہو بلکہ عین کل ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ
کہ عالم عین حق ہے اور یہ خلاف اعتقاد ہے۔ اور یہ اگر کہا جاوے کہ حق فوق تحت
یمین و یسار عالم تو نہیں ہے بلکہ خارج ہے اور بعید ہے اور عالم و حق کے درمیان
تفارق ہے تو اس سے لازم ہوتا کہ حق مقابل عالم ہے اور یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ
حق کسی چیز کے مقابل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض مقابل ہے۔ تو اس چیز کے لئے
مکان ہے یا نہیں۔ اگر مکان ہے تو وہ مکان عین اس شئی کا ہے یا غیر اس کا۔ اگر وہ
مکان اس کا غیر ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ غیر خدا خدا سے قوی ہے کہ اسکے لئے مکان ہے
جیسا کہ زمین آسمان سے کہ مکین زمین ہے زیادہ تر محکم ہے اور تمام موالید سے زیادہ قوی
ہے کہ سب اوسکے اوپر قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ پس لازم ہوا کہ غیر حق زیادہ قوی
ہے اور پھر اسکے لئے مکان درکار ہے علی ہذا القیاس اور اس سے تسلسل لازم آتا
ہے اور یہ باطل ہے اور اگر وہ مکان اوسکا عین ہے تو لازم ہوا کہ مکان نہیں رکھتا
اور وہ حد حاصل کیا ہے کہ جس سے حق خارج از عالم اور دور تر ہے۔ اور وہ حد عین اسکی
ہے یا غیر۔ اگر عین اسکی ہے تو حق پھر متصل عالم ہوا۔ اور اگر غیر اسکی ہے۔ تو مخلوق ہے

یا نہین۔ اگر مخلوق سے ہے تو پہر متصل ہے۔ اور اگر مخلوق نہین تو قدیم ہے۔ اور جب قدیم ہے تو ایک ہے یا دو۔ اگر ایک ہے تو پہر متصل ہے۔ اور دو ہین تو دو قدیم محال ہین۔ ہر آئینہ لازم ہوا کہ حد فاصل نہین ہے۔ اگر ما تحت و فوق و یمین و یسار یک جانب واقع ہی تو جانب دیگر کیا ہے۔ اگر جانب دیگر مخلوق ہے تو پہر متصل عالم ہوا۔ اور اگر تحت و فوق یمین و یسار مین اسکے ہے تو پہر وہی قاعدہ بالا صادق آتا ہے کہ عالم عین حق ہے اور یہ محال ہے کہ حق تحت و فوق کسی چیز کے ہووے اور اگر ہووے تو لبس فہو المراد کہ مقصد میرا یہی ہے۔ کیونکہ اگر حق تحت و فوق و یمین و یسار عالم سے تو عالم ذات حق مین ہے ہر آئینہ اس سے لازم آتا ہے کہ اشیا عین حق ہین۔ اور اگر یہ کہو کہ حق ایسی جگہہ ہے کہ ہم نہین جانتے کہ وہ کہان ہے اور ہماری عقل وہان تک نہین پہونچتی۔ بقول جامی علیہ الرحمۃ بیت جہان تک ہوا اندیشۂ دل بلند + رہے فکر سے سود کا پائے بند خرد کو کہان دست قدرت بہلا + تیرے کنہ کو جو وہ پہونچے ذرا + تیرا در ہے وہ حضرت تنگ بار + کرے پیک ادراک کو سنگسار + پس اسکے لئی مکان ہے مگر تم نہین جانتے۔ پہر وہی بحث اول لازم آتی ہے کہ مکان عین ہے یا غیر۔ غیر ہو نہین ہو سکتا۔ اگر عین ہے تو پہر سب حق ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ حق مکان نہین رکہتا ہے۔ اور کسی جگہہ نہین ہی اور مین بہی نہین جانتا ہون ولیکن سنا ہے کہ خدا ہے اور کسی مقررہ جگہہ مین نہین ہے۔ پس جو چیز کہ کسی جگہہ نہووے معدوم ہے اور یہی صفت عدم کی ہے کہ کسی جگہہ نہین ہے اور لاشے ہے کس واسطے کہ اگر حق شئے ہے تو اسکے واسطے مکان لازم آتا ہے بالفرض والتقدیر اگر حق کو شئے تصور کرین تو بتاؤ کہ شئے حق شئے عالم سے بزرگ ہے یا خورد۔ اگر بزرگ ہے تو عالم مین نہین سما سکتی بلکہ عالم اسکے درمیان مین ہوگا۔ اور اگر شئے حق خورد ہے تو لازم آتا ہے کہ درمیان عالم اسکے ہووے۔ کیونکہ چہوٹی چیز بڑی چیز کو احاطہ نہین کر سکتی بلکہ اسکے درمیان مین ہوتی ہے

اور اگر یہ دونوں نہیں ہیں۔ تو مقرر ہوا کہ خدا معدوم ہے اور جبکہ خدا معدوم ہے اور تم اسکو نہیں جانتے تو اسکی بندگی کا کرنا بالکل خیال ہے۔ پس اسی خدا کے شش لیے کہ تم اسکو نہیں جانتے کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں ہے اور تمہارے نزدیک نہیں۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ اُس کا عالم ہمارے نزدیک ہے اور قدرت اسکی ہمکو دیکھی ہے تو لازم آیا کہ اگر علیم متکلم خبیر سمیع بصیر قدیر اور مریدہے تو اُسکی ذات یہی ہے کیونکہ صفات بے ذات محال ہے پس اگر اثبات ذات ہو گیا تو پھر وہی بحث مذکورہ بالا پیاں آتی ہے کہ اگر اثبات ذات ہو گیا تو اثبات جگہ کی کیفیت ضروری ہے مکان جی ستلا ما جہت والالیٰ ذات لازم ہے کہ جب ذات نفی ہوئی صفات معلوم ہوئیں۔ پس اے عزیز افسوس ایسے شخص کے نام لینے سے کہ نہ کیفیت اُسکی معلوم ہے نہ مکان اور نہ ذات اور سکی کہ فلاں جگہ ہے اور قول مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کو نہ دیکھتا تو عبادت نکرتا کیا معنی ہیں۔ اگر انہوں نے خدا کو نہیں دیکھا تو یہ بات کسطرح کہا۔ اور اگر دیکھا تو لازم ہوا کہ مکان میں دیکھا اور کیفیت دیکھا۔ وگرنہ دیکھنا محال ہے۔ اور شیخ عبد اللہ ملتانی ایک رباعی میں اس مضمون کو ظاہر کرتے ہیں رباعی باحق نہ دو چشم سر نہ بیم ہر دم + از پائی طلب می لسیتم ہر دم گوید خدا بچشم سر تواں دید + آں الیا مدمن ہیم ہر دم + اور محمد صادق صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ بندگی کر رب کی گویا کہ تو اُسکو دیکھ رہا ہے۔ پس تصور کرنا محال ہے جب تک کہ کسی شی کو دیکھا ہو۔ اور تصور ایسے شخص کا عرش سے فرش تک اس بیان مقرر میں اُسکی ذات ہو وے اور اسکے علاوہ یہ بھی نہیں معلوم کہ کہاں ہے اور کس کیفیت سے ہے کس طور ہو سکتا ہے کہ میں اُسکو دیکھتا ہوں یا وہ مجھکو دیکھتا ہے اور قرآن شریف میں آیا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جسطرف کہ تم اپنا رخ کرو اسی طرف روی خدا ہے۔ اس صورت میں وجہہ اللہ ذات

درست نہین ہوسکتا - وجہ قایم بذات ہے - اور ذات درست نہین ہوتی جب تک
کہ مکان نہووے اور مکان غیر اسکی ذات کے درست نہین - پس وجود عالم کہ غیر
اُس کا ہے کسطور درست ہووے اور کسطرح اسکی معیت[۱] عالم کے ساتھہ پائی جاوے
تو اُن دلائل سے بخوب ترین وجہ ثابت ہے کہ وجود ایک ہے اور وہ خود حق ہے -
آپ ہی خالق ہے آپ ہی مخلوق ہے - خود رزاق[۲] ہے خود مرزوق[۳] - خود طالب ہے
خود مطلوب - خود کفر ہے خود اسلام - خود دوزخ ہے خود بہشت - خود آسمان ہے
خود زمین - خود کوہ ہے خود صحرا - خود کعبہ ہے خود بتخانہ جیسا کہ مولانا نے مثنوی میں فرمایا ہے

مثنوے

نکتهٔ دیگر تو بشنو اے رفیق ۔۔۔ همچو جان او سخت پیدا و دقیق
در مقامے خار در جائے چو گل ۔۔۔ در مقامے سرکہ در جائے چو مُل
در مقامے سنگ در جائے گُہر ۔۔۔ در مقامے حنظل و جائے شکر
در مقامے عیب در جائے ہنر ۔۔۔ در مقامے خشک در جائیست تر
در مقامے خاک جائے کیمیا ۔۔۔ در مقامے درد در جائے دوا
در مقامے ظلم جائے محض عدل ۔۔۔ در مقامے جہل جائے عین فضل
گرچہ او آنجا گزند جان بود ۔۔۔ چون بدین جا در رسد درمان بود
آب در غورہ[۴] ترش باشد ولیک ۔۔۔ چون بہ انگورے رسد شیرین و نیک
باز در خم او شود تلخ و حرام ۔۔۔ در مقامے سرکگی نعم الادام

ہر آئینہ ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ دو وجود نہین ہوسکتے جو کچھہ موجود ہے
عین وہی ہے - - - - - -
سوال دوم - باعتقاد متکلمین حق لامکان ہے اور جسم نہین رکھتا - اور عالم کو ہم
دیکھتے ہین کہ مکان بر مکان و جسم بر جسم ہے - تو پھر یہ بات کسطرح درست ہے

[۱] معیت کے معنی ساتھ [illegible] [۲] رزاق کے معنی روزی [illegible] [۳] مرزوق [illegible] [۴] غورہ [illegible]

کہ عالم میں حق ہے مع دلیل ثابت کرو۔

جواب - عالم میں حق ہے۔ باعتبار اسکے کہ عالم بھی لامکاں ہے اور مکان عالم
متصور نہیں۔ جبکہ ایک ہی وجود ہے جو کچھ ہے وہی ہے۔ اُس کا مکاں کچھ نہیں۔
کس واسطے کہ اگر مکاں ہے وہ بھی داخل عالم ہے اور وجود ہے۔ پھر اُس کے لئے
مکاں چاہئے تو تسلسل لازم آتا ہے۔ پس مکاں معدوم ہوا جو کچھ ہے مکیں ہے
کیونکہ اگر یہ کہو کہ کس طرح اس بات کو جان سکتے ہیں کہ وجود ایک ہے
اور لامکاں ہے۔ تو جاننا چاہئے کہ جبکہ خدا کو قدیم اور عالم کو حدید کہا تو اس سے
لازم ہوا کہ خدا عالم سے پہلے تھا۔ تو اُسوقت حق تنہا تھا یا کوئی دوسری شے بھی اسکے
ساتھ تھی۔ اگر یہ کہو کہ اسکے ساتھ کوئی شے تھی بحکم کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئٌ
پس کس طرح شے کو اسکے وجود میں کہہ سکتے ہو۔ اگر یہ کہو کہ خدا تعالے نے پیدا کیا عالم
عالم کو مادہ سے پیدا کیا یا بے مادہ۔ اگر مادہ سے پیدا کیا تو مادہ قدیم تھا یا حدید۔ اگر قدیم
تھا تو مکاں اس مادہ کا کس چیز پر تھا۔ اور مکاں مادہ عین مادہ تھا یا غیر مادہ اور
اور یہ دونوں نادرست۔ پس لازم ہوا کہ ذات اسمیں تھا۔ اور عین حق تھا۔ پس
وہ مادہ ہوا بلکہ ذات خدا ہوئی بحکم کان اللہ ولم یکن معہ شئی۔ اور اگر یہ
کہو کہ مادہ عالم حدید ہے تو وہ مادہ ہوا بلکہ وہ بھی داخل عالم ہوا کہ مخلوق ہے۔ تو لازم
ہوا کہ عالم بے مادہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اگر مادہ ہے تو حادث ہوا۔ اور چونکہ وہ مخلوق
اول ہے اسکو بھی مادہ چاہئے۔ اور یہ محال ہے۔ ہر آئینہ لازم ہوا کہ مادہ کو خدا نے اپنی
ذات میں سے پیدا کیا۔ اور جب مادہ ذات میں سے پیدا ہوا تو ذات خدا مادہ
موجودات ہوئی۔ پس اس سے لازم ہوا کہ تمام اشیاء میں ذات خدا
ہیں کیونکہ مادہ میں سے جو چیز بنائی جاوے گی وہ عین مادہ ہوگی نہ کہ غیر۔ اور عالم
احتکام کا بے مادہ موجود ہونا محال ہے پس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مادہ عالم

اُسکی ذات سے ہے۔ تو مادہ کے پیدا ہونے سے اسکی ذات مین کچھہ فرق ایا یا نہین۔ کیونکہ بے نقص و کمال ذات مین سے مادہ کا پیدا ہونا محال ہے۔ اگر یہ کہو کہ ذات حق مادہ کے پیدا ہونے سے کم ہوئی تو یہ محال ہے کیونکہ ذات مطلق ہرگز کم نہین ہوسکتی۔ اگر کم ہوگی عدم ثابت ہوگا۔ اور موجود مطلق کا عدم ہونا اور کم ہونا محال ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ذات حق زیادہ ہوئی۔ تو ذات مطلق کا زیادہ ہونا بھی محال ہے۔ اگر بالفرض زیادہ ہوئی تو عین ذات سے ہوئی یا غیر ذات سے۔ عین ذات سے زیادہ ہونا محال ہے۔ اور غیر ذات سے بدرجہ اولے۔ کیونکہ اول تو غیر ذات موجود نہین اور علاوہ ازین غیر ذات عین ذات نہین ہوسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ نہ کم ہوئی نہ زیادہ۔ الآن کما کان یعنی ذات حق جیسی تھی ویسی ہے اور جیسی ہے اسیطرح ہمیگی بلا کم و بیش۔ پس تحقیق ہوا کہ ذات حق قبل از وجود عالم تھی اور اب بھی اسیطرح سے ہے جسطرح تھی تو پھر اُسکا مکان تھا یا نہ تھا۔ اگر کہا جاوے کہ ذات باری کے واسطے اُسوقت مکان تھا تو یہ محال ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور اگر یہ کہو کہ اس وقت ذات باری کا کوئی مکان نہ تھا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھہ تھا وہی تھا۔ بجز اوسکی ذات کے کوئی شے موجود نہ تھی فقط اُسکی ذات تھی۔ تو پھر اس عالم کو کہان سے پیدا کیا اور مکان اس عالم کا کس چیز کو مقرر کیا۔ اور عرش عظیم سے ثری تک کہ سو ہزار سال کا راستہ ہے کس طرح ذات حق مین سے خارج ہوکر اُسکے غیر واقع ہوا ہر آئینہ تم یہ کہوگے کہ یہ عالم غیر حق ہے اور کس طرح ذات حق مین سے خارج ہوا اگر خارج نہین ہے تو عین اوسکا ہے۔ وگرنہ مکان اس عالم کا کیا ہے۔ کیونکہ عالم کے واسطے مکان نہونا محال ہے کیونکہ اجسام ہے اور اجسام کے لئے مکان ضروری ہے۔ اور اگر اسکے لئے مکان نہین ہے تو لازم ہوا کہ۔ الآن کما کان

کوئی شے مخلوق نہیں ہوئی ہے۔ جو کچھ ہے خالق ہے۔ الآن کما کان۔ اور
اگر یہ کہا جاوے کہ خدا نے عالم کو بے مادہ و بے آلہ اپنی قدرت سے پیدا کیا
تو بالفرض و التسلیم جبکہ خدا نے عالم کو مخلوق کیا تو مکان اس کا کہاں قائم کیا
اور کس طرح اپنی ذات سے خارج کیا۔ اور اجسام کا لامکان ہونا محال ہے۔
پس عرش اعظم سے ثریٰ تک مکان اس وجود کا کس چیز پر ہے۔ اگر یہ کہو کہ
ثریٰ تک مکان عالم ہر یک کو معلوم ہے۔ تو مکان ثریٰ کا کس چیز پر ہے
اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ مکان ثریٰ کا کس چیز پر ہے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا
مکان ثریٰ پر ہے مگر ثریٰ قدیم ہے یا حادث۔ اگر قدیم ہے تو عین حق ہے یا غیر
حق۔ اگر عین حق ہے تو محال ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تمام عالم کا
مکان حق پر ہے۔ اور اگر غیر حق ہے اور حادث و مخلوق ہے۔ تو وہ بھی داخل
عالم ہے اور مجسم ہے کیونکہ مخلوق ایک ہے۔ یعنی عرش اعظم سے ثریٰ تک
ایک عالم ہے۔ تو اس عالم کا مکان کس چیز پر ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ
ثریٰ کے واسطے کوئی مکان نہیں ہے۔ تو لازم ہوا کہ تمام عالم لامکان ہے۔
کیونکہ جو چیز کہ تحت ثریٰ ہے البتہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر مخلوق ہے تو وہ
داخل عالم ہے۔ پھر اسکے واسطے مکان چاہئے علیٰ ہذا القیاس تو تسلسل لازم
آتا ہے اگر تحت الثریٰ غیر مخلوق و قدیم ہے تو وہ ذات حق ہے کہ خالق و
قدیم ہے۔ اور اگر تحت ثریٰ کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے ثریٰ ہے۔ الیٰ مالا
نہایت۔ اور فوق عرش بھی جو چیز کہ ہے مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر فوق
عرش پر جو کچھ ہے حادث اور مخلوق ہے تو وہ بھی داخل عالم ہے۔ تو اسکے
فوق کوئی شے ہونی چاہئے۔ کہ فوق شے ہر آئینہ الیٰ مالانہایت متصور ہے
پس مخلوق محدود ہے اور فوق عرش غیر محدود۔ ہر آئینہ لازم ہوا کہ فوق

عرش غیر مخلوق اور قدیم ہے اور اگر ایسا ہے تو وہ خدا ہے۔ کیونکہ دو قدیم کا ہونا
محال ہے۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ خدا کا مکان عرش پر ہے۔ اور آیۃ الرحمان
علی العرش استوی بھی درست ہے۔ اور جب مکان لازم ہوا تو جسم
بھی لازم ہے۔ اور جسم کو سکون و حرکت لازم ہے۔ اور یہ خلاف اعتقاد کے ہے
اور اگر یہ کہو کہ فوق عرش کچھ نہین ہے جو کچھ ہے لانہایت تک تمام عرش ہے
اور تحت ثریٰ کے لانہایت کچھ نہین۔ اور یہ سب مخلوق اور حادث ہین۔
پس ثابت ہوا کہ مخلوق لانہایت ہے۔ اور مخلوق لانہایت نہین ہو سکتی۔
لیکن یہ کہو کہ ذات حق کہان ہے۔ اگر یہ کہو کہ درمیان عالم کے ہے تو لازم
آوے گا کہ عالم بھی قدیم ہے۔ یا یہہ کہ خدا بھی حادث ہے۔ تو پھر خدا کے لئے دوسرے
خدا کی ضرورت ہے اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔ پس دو قدیم کا ہونا محال
ہے۔ کیونکہ اگر دونون قدیم ہونگے تو ایک ہونگے۔ اس واسطے کہ قدیم غیر
قدیم نہین ہو سکتا اور اگر دونون حادث ہون تو یہ بھی محال ہے اسی قیاس پر
اور اگر ایک قدیم اور ایک حادث ہو تو حادث مخلوق قدیم ہو جاویگا اور یہ خود نادرست ہے۔ کیونکہ
اگر مخلوق ہے تو مخلوق خالق کے ساتھہ معیت رکھتی ہے یا نہین۔ اگر کہو کہ معیت رکھتی ہے۔ تو کسطرح
اور کس صفت سے اسلئے کہ حادث کی ساتھہ معیت قدیم کا ہونا محال ہے کیونکہ جسوقت کہ قدیم تہا
اور حادث نہ تہا قدیم کہان تہا اور حادث کسطرح پیدا ہوا۔ اور اسکا مکان کہان ہے۔ اور یہ
معلوم نہین جیسا کہ ذکر اسکا کماحقہ اوپر گذرا۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ قدیم کو حادث کی ساتھہ
کچھہ معیت نہین ہے تو یہ بھی باعتبار ذکر بالا محال ہے۔ پس نفی قدم یا رفع حدث
لازم آتا ہے۔ نفی قدم محال ہے کیونکہ نفی قدم سے رفع حدث لازم آتا ہے
تو پھر عدم محض ہوا۔ پس رفع حدث اثبات قدم ضروری ہے۔ کیونکہ
بجز اس کے کوئی اور صورت درست نہین ہو سکتی۔ کما قال الشیخ جنید

النعرادی التوحید رفع الحدث واثبات القدم ۔ لعدار اثبات قدم ورفع حدث کے ایک وجود نظر آئے گا اور وہی حق ہے اور سوائے اوس کے کوئی موجود نہیں ہے ۔ جیساکہ اس رباعی سے ظاہر ہے ۔ رباعی

چوں ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمہ ہم	ماند در دو عالم را ہم پدید نیست
اندر جہاں ہمہ چو ہلو رست کس ہم	از بہر ایں بدانکہ مکانم پدید نیست

پس اس اعتبار سے حق لامکاں ہے ۔ کہ تمام عالم حق ہے اور تمام لامکاں کچھ نہیں ہے ۔ اور یہ نام عالم واسطے تفہیم کے ہے ورنہ میں نہیں چاہتا کہ نام عالم میری زبان سے نکلے ۔ چنانچہ روایت ہے کہ سلطان ابراہیم ادہم ایک گروہ رندوں کے آگے گیا ۔ اونھوں نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ تیرا مذہب کیا ہے ۔ کہا کہ ہمہ اوست ۔ انھوں نے کہا کہ الٰہی تیر خوار ہو سلطان نے دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے ۔ کہا کہ اوست ۔ لفظ ہمہ کو ہم نہیں سمجھے کہ اضافت حوت ہیں ۔ کما قیل التوحید اسقاط الاضافات ۔ پس یہ وجود اضافت عین اللہ ہے ۔ کیونکہ جو کچھ ہے وجود ہے اور وجود غیر وجود نہیں عین وجود ہے ۔ اور عدم غیر وجود ہے کہ عین عدم ہے اگر اسکو بھی شمار کرو کہ داخل وجود ہے ۔ پس جو کچھ ہے وجود ہے ۔ ہر آئینہ وجود لامکان ہے ۔ کیونکہ اگر دو کہو تو اون دونوں کے مکاں کا وجود غیر آں دو کے لازم آتا ہے ۔ تو اس حساب سے وجود چار بلکہ بے شمار ہوئے جاتے ہیں ۔ اور یہ محال ہے ۔ الغرض بہر طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ وجود ایک ہے ۔ از مثنوی مولانای روم

مثنوی

لامکانی کاندر و نور خداست	ماضی و مستقبل و حال از کجاست
ہیش چوگان ہاے حکم کن مکاں	می دویم اندر مکاں ولا مکاں

آن حکیمی اعتقادی کردہ است	کاسمان بیضہ زمین چون زردہ است
گفت سائل چون بماند این خاکدان	درمیان این محیط آسمان
ہمچو قندیلے معلق بر ہوا	نہ بر اسفل میرود نہ بر علا
آن حکیمش گفت کز جذب سما	از جہات شش بماند اندر ہوا
چون ز مقناطیس قبہ ریختہ	درمیان ماند آہنے آویختہ
آن دگر گفت آسمان باصفا	می کشد در خود زمین تیرہ را
بلکہ دفعش می کند از شش جہات	زان بماند اندر میان عالی صفات

الحق یہ راست ہے کہ حق غیر عالم نہین اور عالم غیر حق نہین رباعی

نیست عالم ہمہ خداست یقین	جملہ عالم بلا مکان باشد
گر بود دو وجود در عالم	خود مکان راست انزمان باشد

بیت

حق درمیان عالم و عالم میان حق	حق با ہمہ جہان و جہان دار بنگرند

پس جاننا چاہیے کہ خدا کو باین اعتبار لامکان کہنا درست و روا ہے اور بجز اسکے بصورت دیگر درست نہین -

سوال سوم - عند المتکلمین حق غیر محسوس ہے اور شکل و جسم و نمونہ و ضد و ند و مثل و شبہ سے اوس کی ذات منزہ و مبرہ ہے - اور عالم محسوس ہے اور شکل و شباہت رکہتا ہے - پس اس کا کیا ثبوت ہے کیس طرح ہو سکتا ہے کہ وجود ایک ہے اور عالم غیر حق نہین بلکہ عین حق ہے

جواب سوم جو چیز کہ حس سے دریافت کی جاوی اس کو محسوس اور جو دریافت نہو سکے اس کو معقول کہتے ہین - جسم انسان مین حواس دس ہین - جو چیز کہ بذریعہ ان کے دریافت ہوگی وہ محسوس ہوگی - پانچ حواس ظاہری کہلاتے

ہیں اور پانچ حواس باطنی ظاہری۔ شامہ۔ ذائقہ۔ باصرہ۔ لامسہ۔ سامعہ ہیں
پس جو چیز کہ ان سے معلوم کی جاوے وہ سب محسوس ہے۔ اور حواس باطنی
حس مشترک۔ وہم۔ خیال۔ حافظہ اور متصرفہ ہیں۔ اور جو چیز کہ ان سے مدرک
ہو وہ بھی محسوس ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ حواس باطنی متعلق بحواس ظاہر
ہیں۔ کیونکہ حس مشترک جو کچھ کہ اس کو حواس ظاہر سے پہونچتا ہے سو اس
باطن میں پہنچاتی ہے۔ اور ہر ایک حواس اپنا اپنا کام کرتا ہے۔ اوس ایک
محسوس سے کتنے ہی محسوسات پیدا ہوتے ہیں۔ اور حواس باطن میں سے
جو چیز کہ باہر آنا چاہتی ہے اول حس مشترک میں آتی ہے اور وہ حواس میں
پہونچاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حس مشترک کہتے ہیں۔ اور العقل نور
بھی وارد ہوا ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ حس بمنزلہ عقل کے ہے۔ اور معلوم ہوا
کہ عقل بھی ایک حس ہے۔ واضح بیان اس ہی کا یہ ہے کہ۔ مقام حس مشترک
کا دماغ میں ہے۔ جب انسان کوئی چیز سنتا ہے تو اول یہ آواز حس مشترک
میں پہونچتی ہے۔ اور وہ وہم و حافظہ و متصرفہ و خیال میں پہونچاتی ہے۔
اور وہم اس میں عمل کرتا ہے۔ وہم کا کام یہ ہے کہ جو چیز کہ حس مشترک
نے اوس تک پہونچائی ہے۔ اس میں توہم و تردد کرتا ہے کہ آیا درست
ہے یا غلط اور کبھی راست کو غلط اور غلط کو راست توہم کر کے آدمی کو
شک و ریب میں ڈالتا ہے تو جب تک کہ حس مشترک باہر سے کوئی
چیز وہم تک نہ پہونچاوے وہم اپنا یہ عمل نہیں کر سکتا اسیطرح جب کوئی
چیز خیال میں پہونچتی ہے وہ اپنا کام کرتا ہے۔ یعنی اس شے کو خیال کرتا ہے
مثلاً ایک بات تھی ویسی ہی لاکھ باتوں کا خیال باندھا۔ حالانکہ صرف
بات ایک ہی تھی۔ کیونکہ آنکھ سے جو چیز حس مشترک میں پہونچی اس نے

وہم وخیال تک پہونچایا۔ وہم پر قیاس گذشتہ سے اپنا عمل کیا۔ اور خیال اس کو تخیل میں لایا مثلاً دنیامین ایک چاند دیکھا تھا خیال ہزار چاند کا تخیل کرسکتا ہے۔ لیکن اگر حس مشترک اس تک کوئی شئے نہ پہونچاوے تو خیال کسی شئے کو تخیل نہین کرسکتا۔ اور جب حس مشترک نی حافظہ مین پہونچایا۔ تو حافظہ نے اُس کو نگاہ رکہا۔ حافظہ بمنزلہ لوح کے اور خیال مثل کاتب کے ہے تو جب تک باہر سے کوئی شئے خیال تک نہ پہونچے۔ خیال اس کو لوح حافظہ پر نہین لکہہ سکتا اور حافظہ نگاہ نہین رکہہ سکتا۔ اور جب حس مشترک متصرفہ مین پہونچاتی ہے۔ تو متصرفہ ایک چیز کو ہزار چیز کے ساتہہ فکر کرتی ہے۔ اور مقدمات قایم کرتے ہے۔ پس جب تک کہ حس مشترک کسی شئے کو فکر تک نہ پہونچاوے فکر اس مین تصرف نہین کرسکتی۔ اسیطرح حس مشترک جوکچہہ حواس ظاہری سے اس کو پہونچتا ہے حواس باطنی تک پہونچاتی ہے پس جاننا چاہیئے کہ یہ حواس ظاہری و باطنی ایک دوسرے کے ساتہہ متعلق ہین۔ اگر حواس ظاہری نہون باطنی بیکار ہین اور اگر حواس باطنی نہون تو حواس ظاہری مہمل ہین اور جو کچہہ کہ ان سے مدرک ہوتا ہے وہ محسوس ہوتا ہے۔ پس جو کچہہ کہ تم دیکہتے ہو۔ سونگتے ہو۔ چکہتے ہو۔ سنتے ہو۔ چہوتے ہو۔ کہتے ہو۔ جانتے ہو۔ فکر کرتے ہو۔ یہ سب محسوس ہے۔ پس جو لوگ کہ خدا کو غیر محسوس کہتے ہین۔ وہ کس اعتبار سے کہتے ہین۔ کیونکہ دانائی وبینائی اور مثل اس کے یہ سب حس سے حاصل ہوتی ہے۔ اور تمام عالم کو اسی وجہہ سے محسوس کہتے ہین۔ اور اگر خدا کو انہین حس سے دریافت کیا ہے تو البتہ حق بہی محسوس ہے۔ کیونکہ عقل بہی محسوس ہے۔ اور روح محسوس نہین ہے۔ لازم ہوا کہ روح خدا ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ روح مخلوق ہے۔ تو پہر حق کیا ہے

ہر آئینہ لازم آیا کہ حق ہی محسوس ہے۔ کیونکہ معرفت خدا کے واسطے عقل ہے
اور مدار عقل کا حس سمع پر ہے۔ کیونکہ جو شخص کہ مادر زاد بہرا ہوتا ہے وہ
گونگا بھی ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کوئی چیز تو سنتا ہی نہیں ہے کہ کہوے
اور دیکھو کہ فرزندان اہل فارس زبان عربی سے اور اہل عرب زبان فارسی
سے مطلقاً بے بہرہ و ناآشنا ہوتی ہیں کیونکہ وہ ان الفاظ کو جب کہ سنتے نہیں
تو کچھ بھی نہیں سکتے بیان وہی چیز کی جاتی ہے کہ جو سماعت میں آوے پس
معلوم ہوا کہ تکلم گویائی بواسطے سمع کے ہے۔ اور جس میں شنوائی اور گویائی نہ پائی
جاوے گی وہ البتہ عقل سے بے بہرہ ہوگا۔ اور خدا کو نہ پہچانے گا۔ اس سے
ثابت ہوا کہ خدا کو نہیں پہچان سکتے مگر بواسطے سمع کے۔ اسی وجہ سے سمع
کو بصر پر فضیلت ہے۔ کہ جب انسان نے کچھ سنا اس میں غور و فکر کر کے
استدلال کیا تو حق تک رسائی میسر ہوئی کیونکہ بواسطے فکر کے خدا تک رسائی ممکن
ہے۔ اور فکر ایک حس ہے۔ اور اس کی قوت سمع سے ہے اور حضرت
صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ بندہ کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص
کہ مادر زاد بہرا و گونگا ہے۔ اس کے لئے خدا کی معرفت محال ہے۔ کہ وہ
نہ تو کچھ سنتا ہے کہ کچھ اور فکر کرے۔ اور نہ وہ بول سکتا ہے۔ ہر آئینہ ایسے
شخص کا وجود کالعدم ہے۔ تو لازم ہوا کہ خدا کو بے سمع و بصر کے نہیں پہچان
سکتے۔ کیونکہ جب حواس ظاہری معدوم ہیں تو حواس باطنی بھی بیکار رہیں
اور جب کہ حواس عشرہ بجز روح کے معدوم ہیں تو روح تنہا بے حواس
کے خدا کو نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ اگر روح کو معرفت خدا کی بے حواس
میسر ہوتی۔ تو ہرگز روح جسم محسوس کو نہ لیتی۔ کیونکہ اس وجود میں
کوئی شے عبث نہیں ہے۔ جس چیز کی جس طرح ضرورت تھی اسی طرح موجود

ہے اور خلاف ضرورت کوئی شئے نہین - تو اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے
کہ خدا روح ہے - کیونکہ روح محسوس نہین ہے - و الا نہ خدا محسوس ہے -
اور اگر یہ کہو کہ خدا نہ تو محسوس ہے نہ معقول اور نہ روح ہے نہ جسد - اور
نہ کسی احاطہ مین آسکتا ہے - تو مین دریافت کرتا ہون کہ یہ دانش کہان
سے تم مین آئی کہ نہ محسوس ہے نہ معقول نہ روح ہے نہ جسم نہ مانند ہے نہ شکل
نہ نشان ہے نہ مکان اگر یہ کہو کہ ہم نے رسول سے سنا ہے کہ اسی طرح تعریف
کی - تو سخنان رسول کس طرح تم تک آئی - اگر یہ کہو کہ بذریعہ گوش کے
مین نے سنا ہے اور زبان سے کہتا ہون - تو پہر گوش و زبان کیا چیز ہے - اگر
یہ کہو کہ حس نہین ہے تو غلط ہے - اور اگر حس ہے تو خدا کو بواسطے حس کے
معلوم کیا پس خدا محسوس ہوا - اگر اچھی طرح سے نظر کرو تو معلوم ہووے کہ روح
بہی بواسطے حس کے جانی گئی ہے - اور روح صرف ایک حس سے کہ سمع ہے
پہچانی جاتی ہے وہ بہی محسوس ہوئی - پس اسی طرح سے خدا کو کانون سے
سنتے ہو زبان سے کہتے ہو - فکر سے جانتے ہو - ہر آئینہ لازم ہوا کہ وہ بہی محسوس ہے
کس واسطے کہ جو چیز کہ اصلا محسوس و معقول نہین ہے محال ہے کہ حس اسکا
نام رکہے یا نام اوسکا لیوے اور وہ احاطہ حس مین آجاوے - پس جب کہ
خدا کا نام زبان سے لیتے ہو تو اوس کو محسوس ہی جانو - کیونکہ زبان حس ہے
اور بات زبان سے کہتے ہو اگر دل سے خدا کو پہچانو تو بہی محسوس ہے - کیونکہ
جب تک سمع مین کوئی چیز نہ سنو جب تک دل مین کسی شئے کی فکر نہین
آسکتی - پس کہنا - دیکہنا - جاننا - سننا - یہ سب حس ہے اور جو شئے بواسطے
ان کے مدرک ہو وہ محسوس ہے - اس سبب سے جنید بغدادی رحمت اللہ
علیہ نے کہا ہے کہ من عرف اللہ لا یعقل اللہ - اگر یہ کہو کہ ہم خدا کو

اپنی حس وعقل سے نہیں جانتے بلکہ جبرئیل کے کہنے سے کہ وہ فرشتہ ہے
اور بے حس ہے۔ اور اسی رسول سے کہا کہ خدا ایسا اور ایسا ہے تو رسول
جبرئیل کو از راہ گوش سنتے تھے یا صورت دیکھکر مقصود دل معلوم کر لیا کرتے
تھے۔ اگر از راہ گوش سنتے تھے تو خدا کو حس سمع سے جانا اور اپنی زبان
سے آدمیوں سے بیان کیا اور لوگوں نے سنا اور اعتقاد کیا۔ پس زبان
و گوش حضرت کے اور آدمیوں کے حس ہیں پس خدا کو حس سے دریافت
کیا۔ بلکہ اگر میں جبرئیل کو دیکھکر اوس کا ارادہ معلوم کرتے تھے اور آدمیوں
سے بیان کرتے تھے تو بھی خدا کو بواسطہ حس دریافت کیا کیونکہ آنکھ بھی
تو ایک حس ہے۔ کس واسطے کہ جب تک جبرئیل کو نہ دیکھتے کیسے لفرماتے
کہ حق نے ایسا کہا ہے۔

رباعی

علم غیبی کس نمیداند بجز پروردگار	ہر کہ گوید من ہمیداندار و باورمدار
مصطفےٰ ہرگز نگفتے تا نگفتے جبرئیل	جبرئیلش ہم نگفتی تا نگفتی کردگار

اور اگر جبرئیل کے بغیر ہی حضرت صلعم معلوم کر لیتے ہیں کہ حکم خدا
یہی ہے جیسا کہ اکثر اور انبیائے سابقین گذرے ہیں کہ بلا واسطے جبرئیل
کے پیغام خدا اون تک آیا۔ لیکن اگر آن کے چشم و گوش و زبان
نہوتی تو حکم خدا کس طرح مخلوق کو سناتے اور کس طرح خود معلوم کرتے
پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ خدا محسوس ہے یا معدوم۔ کیونکہ اگر
نام خدا لیتے ہو تو بواسطے حس لیتے ہو پس خدا محسوس ہے۔
پس کیا ہی اعتقاد متکلمین کا کہ خدا کو غیر محسوس تصور کرتے ہیں حالانکہ
وہ محسوس ہے۔ اور اگر فرض کیا میں نے کہ خدا غیر محسوس ہے تو تمہارا
یہ دانش کہ خدا محسوس نہیں ہے۔ آیا محسوس ہے یا غیر محسوس۔ بلکہ

درست نہین کیونکہ دانش بسبب سمع و بصر کے پیدا ہوئی پس محسوس ہوئی
اور اگر یہ کہو کہ یہ دانش غیر محسوس ہے۔ اور خدا کو ہم نے حس سے دریافت
کیا ہے مگر وہ بہی غیر محسوس ہے۔ تو اُس کلمہ اسم ذات کہ اللہ ہے محسوس ہے یا
غیر محسوس۔ اسم غیر محسوس درست نہین تو لازم ہوا کہ اسم خدا محسوس
ہے۔ کسواسطے کہ گوش و زبان مین آتا ہے۔ پس یہ بات کس طرح درست
ہوسکتی ہے کہ ذات غیر محسوس و معقول۔ اور اسم محسوس نامعقول
اور جبتک حس کسی چیز کا نام نہ رکہی اور بیان فکر سے اور نہ دیکہے
تو کوئی شے غیر اپنی کو خصوصًا نہین پہچان سکتے اور نہ نام رکہہ سکتے ہے
جیسے کہ عدم غیر وجود ہے اور وجود غیر عدم ہے کوئی ایک دوسرے کو نہین
پہچان سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ وجود نے خاصکر عدم کا نام رکہا کہ عدم
ہے۔ پس وجود نے عدم کو جان لیا۔ جاننا چاہئے کہ وجود نے عدم کو
پہچان لیا ہے کیونکہ اگر وجود عدم اللہ ذاتی و شئے وصفی کا خاطر وجود
مین آیا اور نام اوس کا عدم رکہا تو محال ہے کہ عدم صرف کا۔ وجود
نام رکہے۔ اس لئے کہ جو کچہہ عدم ہے عدم ہے اور جب وجود نے
عدم پر نام رکہا۔ ہر آئینہ وہ بہی داخل وجود ہوا۔ پس عدم اوس شئے کا
کہ ہرگز احاطہ و فکر وجود مین نہ آوے اور جو کچہہ کہ وجود اس پر نام رکہے
اور فکر وجود مین آجاوے۔ ہر آئینہ وہ بہی وجود ہے۔ پس مقرر ہوا کہ کوئی
شئے خاص کر غیر اپنی جنس کو نہین پہچان سکتے۔ تو اس سے ثابت ہوا
کہ خدا خلق کو نہین پہچانتا ہے اور خلق خدا کو نہین پہچانتی۔ اس واسطے
کہ دونون غیر یکدیگر ہین۔ اور جنس ایکدوسرے کی نہین پس خدا
سوائے خدا کے اور کسی کو نہین پہچان سکتا ہے۔ اور خلق سوائے

حلق کے یہ دیکھ سکتی ہے۔ اور یہ پہچان سکتی ہے۔ اور اہل تحقیق کا مقولہ ہے کہ رب کو رب سے ڈھونڈنے کے واسطے اٹھو۔ کما قیل عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ اللّٰہَ بِاللّٰہِ پس ہر چیز خود اپنی جنس کو پہچانتی ہے۔ کما قال مولانا جلال الدین رومی

مثنوی

دانش ہر چیز را تر ط ستایں		تو قیامت شو قیامت را ببیں
گر دلیلت باید از وی رو متاب		آفتاب آمد دلیل آفتاب

پس قول متکلمین کا کہ خدا کو غیر محسوس کہتے ہیں باطل ہوا۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ خدا محسوس ہے۔ ورنہ عالم ہی محسوس نہیں ہے تو کہنا چاہئے کہ خدا عین عالم ہے۔ پس مقصد ہمارا حاصل ہو گیا کیونکہ ہماری تمام تقریروں کا مقصد و منشا یہی ہے کہ خالق عین خلق ہے۔ ہر گز خدا نہیں ہے بلکہ نام خلق کا ساقط کرتا ہوں تاکہ سب حق کو دیکھیں۔

مثنوی

تو برو در کارگہ بینی عیاں		کارکن در کارگہ باشد نہاں
خارج آں کار نتوانیش دید		کارکن بر کار چوں پردہ تنید
آنکہ بیروں ست از وی غافل ست		کارگہ چوں جای باشد عامل ست
تا ببینی صنع و صانع را بہم		پس در آ در کارگہ یعنی عدم
پس بروں کارگہ پوشیدہ گشت		کارگہ چوں جای روشن دیدہ گشت

اے عزیز اب معلوم کرنا چاہئے کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق موجود ہے

توبس عین عالم ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہے وہی ہے عالم کچھ نہین ہے اور کوئی شئے بجز اُس کے نہین ہے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ اُس کا غیر ہووی اس تقریر سے کہ بیان ہوئی یہ ثابت ہو گیا کہ وجود ایک ہے ایک سے زیادہ وجود نہین۔ وہی معقول ہے وہی محسوس ہے۔ غیر اُس کا عدم ہے۔ بلکہ جب کہ نام عدم کا لیا تو عدم کے واسطے بھی وجود ہے۔ پس وہی وہی ہے البتہ اگر اس اعتبار سے کہو کہ خدا محسوس نہین اور معقول نہین تو روا ہے۔ کسواسطے کہ جب کہ محسوس و معقول سب وہی ہے۔ ہر آئینہ وہ نہ محسوس ہے نہ معقول۔ بلکہ سب وہی ہے۔ کس لئے کہ یہ سب اُس کے نام ہین۔ جب کہ نامون کو الگ کرو تو ایک وجود دکھائی دیگا۔ لیکن اس اعتبار سے کہ وجود دو ہین اور خدا غیر عالم ہے خلاف متکلمین یہ لازم آتا ہے کہ خدا محسوس ہے۔ لیکن اگر اس اعتبار سے کہو کہ ایک وجود ہے سب درست ہے کہ خدا الامکان ہے۔ غیر محسوس ہے۔ قدیم ہے خدا اور بلا شکل و نمونہ نشان اور مانند نہین رکھتا ہے۔ کیونکہ وحدت وجود مین یہ سب اعتبارات منقطع ہین۔ جب کہ وجود ایک ہے تو اس مین اضافات و اعتبارات کی کچھ ضرورت نہین۔ کما قیل التوحید اسقاط الاضافات۔ عند الموحدین جب تک اضافت باقی ہے۔ ہنوز شرکت ہے جس وقت کہ تم اضافت کو دور کرو گے تو نہ اُس کا مکان لازم آئیگا نہ حس نہ شکل نہ چگونگی نہ تشبیہ اور نہ مانند۔ ذات مطلق کو بے کم و کیف و بے اسم و رسم مشاہدہ کرو گے نہ اس ذات پر اسم خالقیت دیکھو گے نہ مخلوقیت۔ کس واسطے کہ دونون ایک ہین۔ رباعی

اے ہمہ آشکار و از ہمہ نہان	درعین عیان مخفی و در خفیہ عیان

اندر تو گشت ماندہ ام ای جانِ جان		ہم آنی و ہم اینی اِین و آن

پس جان کہ ایک ہی وجود ہے کہ اسم و رسم اس سے منقطع ہے
اور باعتبار دیگر سب کچھ ہے اور وہ وجود کسی چیز کی مثل نہیں ہے۔
لیس کمثلہ شیٔ و ہو السمیع البصیر۔ حقیقت اس کی ہے کس واسطے کہ
جو چیز ہے اسکا نام وجود ہے۔ اور وجود ہرگز دو چیز نہیں کہ مانند و شبہ
اس کے پائی جاوے۔ پس حقیقت وجود کے بہ حقیقت موجود کے یہ وجود
بے شکل و بے مانند اور بے مونہ ہے۔ کسواسطے کہ مونہ وجود کا نہیں
دکھا سکتے مگر ساتھہ وجود کے۔ اور سخن وجود کا نہیں کر سکتے مگر ساتھہ وجود
کے۔ اور مانند وجود کوئی چیز نہیں ہے مگر وجود ہے۔ پس وجود غیر وجود
نہیں ہے۔ کیونکہ وجود نام ایک شئے کا ہے۔ مثلاً آدمی ایک چیز کا نام
ہے۔ اور کسی نے کہا کہ دست و پا آدمی کے مانند ہیں۔ اور علی ہذا القیاس
آدمی کی ہر چیز کا نام علیحدہ رکھہ لیا گیا ہے۔ اگر ہر نام پر اسم آدمی ہم اداہی
کہ دست آدمی۔ پائے آدمی۔ سر آدمی۔ پشت و سینہ آدمی۔ تو اس میں
اضافت تمام اشیاء کی آدمی کیطرف ہے۔ اور آدمی جامع ہے ان
تمام چیزوں کا۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ سر آدمی غیر آدمی ہو یا کوئی عضو
آدمی کا ورائے آدمی ہو اور آدمی جامع تمام چیز کا ہے۔ اور آدمی نام ایک
چیز کا ہے اسیطرح سے جاننا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور جو کچھہ ہے
اضافت وجود اس سے منقطع نہیں ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ زمین بالس
زمین کیا ہے۔ اک شئے ہے اور شئے کیا ہے وجود ہے ہر آئینہ جو کچھہ
ہے وجود ہے۔ اور وجود غیر وجود نہیں ہے کہ وہ شکل و نشان و مونہ
و مانند رکھتا ہووے۔ کیونکہ یہ تمام اعتبارات غیرت سے اللہ ایک

چیز کو دوسرے سے مشابہ کرتے ہین۔ غیر اس چیز کے ہو جاوے تاکہ اس کو نشان دے سکین۔ پس اگر وہ غیر عین چیز ہے۔ تو اس چیز کو کسی چیز سے مانند نہین کر سکتے۔ کس واسطے کہ تعین و تشخص شئے کا غیر اس شئے کے ہونا چاہئے تاکہ اس کو مشابہت دین۔ کہ یہ شئے اس شئے کے مشابہ ہے۔ اور جب کہ ایک ہی شئے ہو تو اسکو کس اعتبار سے صفت کر سکتے ہو۔ ہر آئینہ ممکن نہین کہ اس شئے کی صفت کی جاوے مگر ساتھ اسی شئے کے۔ بلکہ یہ بھی ٹھیک نہین بجز اس کے کہ اس شئے مین نگاہ کرو۔ پس اسی طور جاننا چاہئے کہ وجود غیر وجود نہین ہے۔ اور تمام اشیاء کا ایک وجود ہے۔ پس غیر اس وجود کے کوئی شئے ہونی چاہیے کہ اسکو مشابہت دین۔ اور جب کہ غیر وجود وجود کی مانند ہوگا۔ تو وہ غیر وجود نہین ہو سکتا۔ بلکہ عین وجود ہوگا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عالم کا کوئی ذرہ دوسرے ذرہ کے مانند نہین۔ اور کوئی وجود مثل دیگر وجود کے نہین مثلاً آسمان شکل و صورت مین مشابہ زمین کے نہین ہے۔ اور نہ زمین مثل آسمان کے۔ مگر بحسب نمود آسمان بھی ایک وجود ہے اور زمین بھی۔ اور اربعہ عناصر بھی شکل مین ایک دوسرے کے مانند نہین مین جیسا کہ نظر آتا ہے۔ مگر وجود مین چارون ایک جز ہین۔ پس اگر آسمان کی تعریف ایسی جگہہ کی جاوے جہان کہ آسمان نہین ہے تو کسطرح اسکی تعریف کیجا سکتی ہے اور کسطرح دکھلایا جا سکتا ہے جب تک کہ آسمان نہ نظر آئے پس ممکن نہین کہ آسمان کو کوئی پہچان سکے اور نشان دے سکے۔ پس یہی مطلب عرفت بی بربی کا ہے۔ انسان کو حیوان سے اور نباتات کو جمادات سے نہین پہچان سکتے

کیونکہ ایک دوسرے کے مانند نہیں ہیں۔ آسمان مانند زمین کے نہیں ہے اور زمین مانند آسمان کے نہیں ہے اور نہ خاک مانند آب کے اور نہ آب مانند باد کے اور باد مانند آگ کے پس آگ کو ہوا سے بدل نہیں سکتے ہیں وعلی ہذا۔ کیونکہ کوئی جز دوسرے جز کے مانند نہیں ہے۔ اور کوئی درخت دوسرے درخت کے مانند نہیں۔ یہاں تک کہ ڈالیاں ایک درخت کی آپس میں ہرگز مشابہ ایک دوسرے کے نہیں ہوتیں بلکہ بڑا تفاوت ہوتا ہے۔ پس یہی بات ہے کہ وجود تمام کا بے شکل وصورت اور بے مانند اور بیچوں و بے شبہ و بے نمونہ ہے۔ بیت

چوں ہرچہ ہست در ہمہ عالم ہمہ ہم	مانند در دو عالم را ہم پدید نیست

رباعی

چونکہ ہمہ اوست نشاں چوں بود	غیر بود او است عیاں چوں بود
چونکہ ہمہ اوست غلط چوں خوری	فکر جز در را لغلط چوں بری

پس تحقیق ہے کہ کوئی جنس دوسری جنس کی مشابہ نہیں ہے جنس تو کیا بلکہ کوئی ذرہ جنس کا دوسرے ذرہ کے مانند نہیں ہے۔ تمام ذرے بے مثل و بے نمونہ و بے شکل و بے شبہ ہیں بحسب نمود مگر وجود میں ایک معنی ہیں۔ اس سبب سے ہی بے مثل و بے مانند ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مگر اے طالب تجھ میں آنکھ نہیں کہ تو اس کو دیکھے۔ اس کے واسطے لطر در کار ہے کما قیل۔ بیت

کے نگرد ہیچ کہ نور سور	دیدہ خفاش کہ شد در رکور
دیدہ باید تا نہ ملبد روی دوست	ہر چہ در روے نگرد داندکہ اوست

باکہ گویم در جہان یک گوش نیست   زانکہ آن جا ہیچ دل باہوش نیست

اے دریغا ہیچ کس را نیست تاب   دیدہ ہا کور و جہان پر آفتاب

این سخن را در نیابد گوش خر   گوش خر بفروش و دیگر گوش خر

پس باعتبار یگانگی و وحدت وجود کے جو کچھ کہا جاوے روا ہے کہ بے شبہ و بے مانند و بے نمونہ ہے۔ لیکن جبکہ دو وجود ہودن گے یہ بات محال ہوگی اور ہرگز لعقل[1] کامل اثبات دو وجود کا نہیں کرتی ہے۔ بلکہ جو کچھ دیکھتی ہے ایک ہے وجود بیرنگ و صورت کو دیکھتے ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وجود واحد ہے۔ جیسا کہ فرمایا مولانا رحمت اللہ علیہ نے۔

مثنوی

چون زبیرنگی اسیر رنگ شد   موسی با موسی در جنگ شد

چون بہ بیرنگی شدے کان داشتے   موسی و فرعون از بیداشتے

گر ترا آید بدین نکتہ سوال   رنگ کے خالی بود از قیل و قال

این عجب این رنگ از بیرنگ خاست   رنگ با بیرنگ چون در جنگ خاست

اصل روغن ز آب افزون میشود   عاقبت با آب ضد چون میشود

چونکہ روغن را ز آب اسرشتہ اند   آب با روغن چرا ضد گشتہ اند

چون گل از خارست خار از گل چرا   ہر دو در جنگ آید اندر ماجرا

یا نہ جنگ ست این برای حکمت ست   ہمچو جنگ خود فروشان صنعت ست

یا نہ آن ست و نہ این حیرانی است   گنج باید جست این ویرانی است

چون عمارت شد آن تو ہم از انتہا   گنج بنود در عمارت جا بجا

در عمارت ہستی و جنگی بود   نیست را از ہستہا ننگی بود

[1] لعقل بمعنی عقل ۱۲

ے کہ نیست از ہستی فریاد کرد	بلکہ نیست آں ہست را واد کرد
فعلہاے یار گوہ است ای سلیم	نصرت فرعون میداں از کلیم

پس جاننا چاہیے کہ نیستی ہستی سے - اور دونوں ایک ہیں ہرگز ایکدوسرے سے جدا نہیں اور سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں جو کچھ ہے وہی ہے

رباعی

ہر کجا می نگرم اوست ہمہ	ہر طرف میگذرم اوست ہمہ
غیر او نیست دگر موجودے	گر بود ہیچ ندارد بودے

بیت

نیست ہیچ اندرین میاں حرحق	با دحق چیست گفتن احمق

ہر الغیہ ان تمام تقریرات بالا سے معلوم و ثابت ہوگیا کہ سواے خدا کے کوئی شے وجود نہیں رکھتی اور اگر وجود رکھتی ہے تو اس کی ہستی معدوم ہے
سوال چہارم نزدیک موحدوں کے جب کہ وجود ایک ہے اور وہی حق ہے تو یہ صفت خدا کی جو کہ اسکے کلام پاک میں ہے کہ - لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد اسکی ذات پر کس طرح صادق آسکتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وجود کے والد اور مولود سب موجود ہیں اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں جواب جاننا چاہئے کہ آیت تنزیہ ہے اور رد ہے واسطے اصول الغلو کے کہ وہ خاص کر عیسے کو پسر خدا کہتے ہیں اور بعض تین خدا کے قائل ہیں اور یہودی عزیر پیغمبر کو پسر خدا کہتے ہیں - اور ملائکہ کو دختران خدا تصور کرتے ہیں - اس لئے واسطے رد کرنے اس قوم کے یہ آیت نازل کی

کہ۔ لم یلد ولم یولد و لم یکن لہ کفوا احد یعنی خدا واحد ہے
نہ اس نے کسیکو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی اس کی برابر ہے
یعنی جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ خدا کے لڑکے لڑکیاں ہین یا کہ تین خدا
ہین یہ غلط ہے خدا واحد ہے۔ یہ قول خدا کا درست ہے مگر یہ بات
کما حقہ کسی کی سمجھ مین نہین آئی اور نہ کسی نے اس کو بالتفصیل بیان
کیا۔ کیونکہ نزدیک اس قوم کے کہ خدا غایب ہے اور دو وجود کے
قایل ہین اور نزدیک موحدون کے کہ معتقد ایک وجود کے ہین کس
صورت سے ولد اور والد لازم نہین آتا ہے۔ اگرچہ ظاہر ایسا دکھلائی
دیتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت تولد نہین ہے۔ کس واسطے کہ اگر تولد ہوتا
تو ایک سے دو ہوجاتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہ تولد کہ ہم کو دکھلائی
دیتا ہے کیا چیز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تولد اس کو کہتے ہین کہ
انسان سے ایسی کوئی شئے پیدا ہو کہ غیر انسان ہو صورت وجود مین۔
یعنی تشخص و تعین مین۔ غیر والد ہو۔ واضح بیان یہ ہے کہ عرش اعظم سے
ترے تک اور فوق عرش سے الے مالانہایت اور تحت الثرے سے
الے مالانہایت ایک وجود ہے اور یہ عین حق ہے۔ نہ اسنے کسیکو جنا
اور نہ یہ کسی سے جنا گیا۔ یعنی یہ تمام عین ہے وہ دوسرا کونسا وجود
ہے کہ اس کو جنے۔ اور اگر یہ وجود کسی کا جنا ہوا ہوتا تو لازم آتا کہ وجود
والد کا اس ولد کے وجود سے کلان تر ہوتا۔ مگر والد اس وجود کا خود
پیدا نہین ہے اور نہ کوئی جانتا ہے۔ کہ والد اس وجود کا کون ہے۔
پس مقرر ہوا کہ یہ وجود نہ کسی سے جنا گیا اور نہ اس نے کسی کو جنا
کس واسطے کہ اگر کوئی وجود دوسرا اس وجود کا کہ عرش سے فرش تک

ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ وجود والد اس وجود کا ہے۔ پس ولد وہ ہے
ہے کہ بصورت پدر ہو۔ اور جو صفات کہ والدین پائی جاویں ولد
میں بھی پائی جاویں پس جب کہ انسان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے
تو وہ بصورت انسان بلکہ عین انسان ہوتا ہے اور معنی اَلْحَقُّ لِلّٰہِ
کَاَنَبِیْہِ کے بھی یہی ہیں پس انسان اگرچہ ابتدا میں خورد ہوتا ہے
مگر آخر کو رفتہ رفتہ مثل پدر ہو جاتا ہے اور پھر اس سے لڑکے پیدا ہونے
لگتے ہیں پس اگر یہ وجود بھی جنا گیا ہوتا تو ہزاروں عالم مثل اس عالم
کے مشابہ یکدیگر کے بلا فرق موجود ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور
جو صورت کہ پیدا ہوتی ہے البتہ ولد بصورت والد ہوتا ہے اور یہ محال
ہے کہ والد کسی صورت کو جو کہ غیر والد ہو جنے۔ اور اگر اس وجود کے
ولد ہوتا۔ تو ایک دوسرا وجود اسی قدر بزرگ موجود ہوتا
اور پھر ایک بڑا مکان چاہئے تھا کہ جس میں یہ دونوں وجود سما سکتے
اور جب کہ ولد بزرگ ہوا تو پھر ولد کے ولد ہوتا اسیطرح ہزارہا عالم ہوتے
بایں بزرگی وسعت کہ ظاہر ہے۔ اور مکان انکا ان سب سے زیادہ
عالی ہوتا۔ پس یہ محال ہے اور عقل ہرگز قبول نہیں کرتی ہے۔ اور
انبیائے اس بارہ میں کچھ بیان کیا۔ پس یہ وجود نہ والد رکھتا ہے
نہ ولد اور یہی معنی ہیں آیتہ تکلمہ کے کہ یہ ایک وجود ہے کہ نہ پدر ہے اور نہ
پسر اور نہ دیگر وجود اسکے مثل ہے۔ بعبارت دیگر ہم اس مضمون کو
واضح طور سے بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے سمجھ میں آجاوے
پس جاننا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے
اور جو کچھ اس وجود میں ہے عین اس وجود کا ہے اور اس وجود میں غیر اس

وجود کچھ نہیں ہے۔ پس اگر انسان ہے وہ بھی وجود ہے اور حیوان ہے وہ بھی وجود ہے۔ اور عناصر و آسمان اور ماہ و آفتاب و کواکب وغیرہ یہ سب وجود ہین۔ اور کوئی وجود خارج وجود سے نہین ہے۔ اِس واسطے کہ وجود وجود ہے اور عدم عدم۔ بیت نیستی نیست است تا ہست ست ٭ ہست ست وگرنہ ما ہست ست۔ پس اگر جنے تو وہ غیر انسان نہین ہے۔ کیونکہ ولد بھی وجود ہے اور والد بھی وجود اس شئے کو کہتے ہین جس مین ہستی و نمود و نشان ہو۔ اور جو کہ علاوہ ان صفتہ کے ہے وہ وجود نہین ہے کیونکہ وجود مین بھی صفات ہین اور جس شئے مین یہ صفات نہین وہ وجود نہین رکھتے۔ اسی سبب سے حکما وجود ملایکہ کے منکر ہین اور نیز جنات کے کیونکہ یہ قوم نمود ظاہری نہین رکھتے۔ اگرچہ یہ گمان حکما کا باطل ہے لیکن اصل کلی یہ ہے کہ جس ہستی مین نمود و نشان نہون وہ نہین معلوم ہوسکتی کہ ہستی ملک کی داخل عدم ہے پس اگر وجود سے وجود پیدا ہوا لیکن یہ تعین وجود والد یا تعین ولد ایک ہے اور اس کو جننا نہین کہتے۔ جننا اس حالت مین تھا کہ وجود عدم کو یا عدم وجود کو جنتا۔ پس یہ گردش وجود کی فی الحقیقت نہ جننا ہے۔ کیونکہ ہر حال مین پانچ چیز سے اسم وجود کا ساقط نہین ہے۔ یعنی یہ کہ تعینات وجود بھی ایک تعین ہے اور اس تعین سے وجود نہین ہوتا۔ اور تعین وجود کا سوائے تعین اسکو جوہ کے نہین۔ اور اگر وجود سے عدم پیدا ہوتا تو وجود کے لئے ولد لازم آتا۔ اور حقیقت مین وجود ولد کا عین وجود والد کا ہے اگرچہ تمکو نظر مین دو وجود دکھلائے دیتے ہین ورنہ وجود غیر وجود نہین عالم قوۃ مین تمام فرزندان آدم علیہ السلام ذات آدم مین تھے۔ اب

قوۃ سے آتے ہیں اور ہر فعل میں صورت پکڑتے ہیں۔ اور اوہام بھی جب کہ
موجود ہوتی اس وجود کی قوۃ میں تھے۔ اور ہر شے اس وجود کے قوۃ
میں ہے پس اشیاء کا قوۃ سے فعل میں آنا تولد ہے کیونکہ یہ ایسا وجود
ہے کہ ہر قوۃ میں صد ہزار فعل اور ہر فعل میں صد ہزار قوۃ رکھتا ہے
پس وجود کی ایک صفت سے دوسری صفت پر سیر و گردش کرنے کا
نام تولد اور ولد اور مولود ہے۔ اور یہ وجود ہمیشہ آپ سیر و گردش
میں رہتا ہے اور خاصیت اس وجود کی ایسی ہے کہ ہر دم اس میں
دوسری شان پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ
فِي شَأْنٍ پس کیا کہتے ہو اس میں کہ جب کہ حق شان دیگر میں
رہتا ہے اور رہتا اور اب کہ دوسری شان اختیار کی بدل گیا۔ اور ہر آئینہ
خدا ہرگز نہیں بدلتا۔ اور قلب حق محال ہے۔ اور یہ سیر وجود کی ہے
اپ میں۔

مثنوی

مرد می باید کہ باشد شہ شناس — تا شناسد شاہ را در ہر لباس
کل یوم ہو فی شان بخوان — مرد را بیکار و بے فعلے مدان
کمترین کارش بہر روز است آن — کو سہ لشکر می کند این سو روان
لشکرے ز اصلاب سوئے امہات — بہر آن تا در رحم روید نبات
لشکرے از ارحام سوے خاکدان — تا ز نر و مادہ پر گردد جہان
لشکرے از خاکدان سوئے اجل — تا ببیند ہر کسے حسن عمل

مگر جاننا چاہیے کہ خاصیت اس وجود کی ایسی واقع ہوئی ہے
کہ قوۃ سے فعل میں اور فعل سے قوۃ میں آمد و رفت رکھتا ہے
تو اس سیر وجود کا نام تولد رکھنا نہ چاہیے۔ اور جب کہ فی الحقیقت

وجود مین یگانگی ہے تو اس وجہہ سے ہر چیز تمام اشیا مین تمام ہو جاتی ہے۔ اور سب کی صورت مین ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس کا نام تولد نہ رکہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس وجود کی خاصیت یہہ ایسی ہے کہ ہر جزو مین کل اور ہر کل مین سو ہزار جزو رکہتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کل الشئ فی کل الشئ اور شعر شاعر کا بیچ اس معنی کے **بیت**

دل یک قطرہ را اگر بشگافی	برون آید از و صد بحر صافی

پس اگر جو چیز کہ اندر ہو اور باہر آجاوے یہ زادن اور تولد نہین ہے۔ بلکہ سیر وجود ہے۔ جیسا کہ انسان جب گہر مین تہا وہی تہا اور جب بازار گیا تب بہی وہی تہا۔ ہرگز دو نہوا۔ پس مبداء وجود مین تمام قابلیات وجود مین تہین۔ اور جو کچہہ کہ اس کے قوۃ و استعداد مین تہا ظاہر ہوا۔ بلکہ بنظر تحقیق وہی مبداء ہے کہ موجود ہے۔ اور سوائے اس مبداء کے کسی چیز کا ظہور نہین ہے۔ باین اعتبار کہ ہمہ چیز تمام اشیاء مین ہین پس وجود۔ تبدیل و تبدیل لہ ہے۔ تغیر اور تبدل کچہہ نہین ہوا۔ الان کما کان جیسا تہا ویسا ہی ہے۔ حالت اصلی سے ہرگز متغیر نہین ہوا۔ اور جو کچہہ کہ تمکو دکہلائی دیتا ہے اور ولد معلوم ہوتا ہے۔ سیر و گردش اس وجود کی ہے اسی وجود مین۔ جاننا چاہیئے کہ جو کچہہ موجود ہے وہ حق ہے سوائے حق کے کوئی شے موجود نہین۔ ولد بہی وہی ہے اور والد بہی وہی۔ پس ولد تولد و تولید اور مولود کہان رہا۔ اور ولدیت اور والدیت دور ہوئی جاننا چاہیئے کہ وحدت وجود مین والد و مولود مرفوع ہے مگر جب کہ دو وجود جانوگے ایک کو خالق اور دوسرے کو مخلوق ہر آئینہ والد

اور مولود لازم ہوگا۔ اسلئے کہ خدا کو ولد لازم ہوتا ہے اور مخلوقات
کو دو لون۔ کیونکہ جب کہ خدا تہا اس کے ساتھ کچھ نہ تہا۔ کان اللہ
ولم یکن معه شي۔ پس جبکہ کچھ نہ تہا تو یہ تمام مادہ کہاں سے پیدا
ہوا۔ لازم ہوا کہ خدا نے اپنے مین سے پیدا کیا۔ یعنی جنا۔ پس
عالم بیٹا خدا ہوا۔ اس لئے کہ والد مصدر ہے اور ولد صادر مصدر
سے صادر ہوا۔ پس جو چیز کہ کسی چیز سے صادر ہوئی اس چیز کا ولد
وہی ہے پس جب کہ عالم نہ تہا اور خدا سے صادر ہوا۔ لازم ہوا
کہ عالم ولد خدا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ عالم کو خدا نے اپنی ذات
مین سے نہیں نکالا ہے کہ اس کو مصدر کہیں بلکہ اپنی قدرت سے
پیدا کیا ہے۔ تو آیا مادہ سے پیدا کیا ہے یا بلا مادہ۔ اگر مادہ سے پیدا کیا ہے
تو مادہ عالم قدیم ہے۔ اور اگر مادہ کو بہی پیدا کیا ہے تو پہر اس کو مادہ
چاہئے تو اس سے پہر یہ بات لازم آتی ہے کہ دو قدیم ہے۔ اور
یہ بات محال ہے کہ دو قدیم ہوں۔ اگر بے مادہ پیدا کیا تو پہر مکان
عالم کس چیز پر کیا۔ کیونکہ وہی موجود تہا اور اس کے سوا کچھ نہ
تہا۔ اگر اپنی وجود میں رکہا تو یہ محال ہے کہ قدیم محل حادث ہو۔
اور اسکے خارج بہی کوئی شئے متصور نہین ہے۔ اور یہ کا حصہ سوال
اوّل و دوم مین بیان ہو چکا ہے۔ وہان دیکہنا چاہئے۔ ہر آئینہ یہ
بات لازم ہوئی کہ ذات خدا مصدر تمام عالم ہے اور عالم ذات
میں ہے پس ثابت ہوا کہ عالم اس کا ولد ہے پس آیتہ۔ لم یلد
ولم یولد باطل ہے۔ معاذ اللہ کہ یہ آیت باطل ہوئی پس لازم
ہوا کہ وجود ایک ہے تاکہ یہ آیت درست ہووے کیونکہ یہ وجود نہ

کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس سے کسی کو جنا ہے۔ سب ہیچ ہیں جو کچھ ہے وہی ہے۔ صاحب فہم کے واسطے اسی قدر کافی ہیں اگر تمام دلایل بیان کئے جاوین کتاب دراز ہو جاوے۔ اور نیز غیرت اس امر کے مانع ہے۔ کہ بھید بہت ظاہر ہو جاوے گا پس اس بات مین اسی قدر کافی ہے من فہم فہم من جہل جہل۔

مثنوی

بس کنم گر این سخن افزون شود
خود جگر چہ بود کہ خارا خون شود
نیست دستورے وگر نہ ریختے
گرد از دریائے راز انگیختے

حقیقت اصل تو یہ ہے کہ جو بیان کی گئی اور اگر کوئی کم فہم انکار کرے تو اس کا کیا ہے اسکے پاس زبان ہے جو چاہئے کہے کیونکہ ہر شخص خدا اسی قدر پہچانتا ہے کہ جس قدر اس مین قابلیت ہوتی ہے

مثنوی

ور تو مہر و ماہ را گوئی خفا
ور تو قد سرو را گوئی دوتا
ور تو چرخ و عرش را خوانی حقیر
ور تو کان و بحر را گوئی فقیر
آن بہ نسبت با کمال تو رواست
ملک اکمال فنا ہا مر تراست
گر تو پاکی از خطر گر نیستی
ہستیان را موحد معنیستی
آنکہ رویانید داند سوختن
آنکہ چون بدرید داند دوختن
می بسوزد در خزان مر باغ را
باز رویاند گل صباغ را

کل شیٔ ما خلا اللہ باطل چونکہ گردے گرد سرگشتہ شوی	آں فضل اللہ علیم باطل خانہ را اگر دیا بی آں کتوی

مقصود ان تمام تقریروں سے کہ مذکور ہوئیں یہ ہے کہ سوائے حق کے کوئی موجود نہیں ہے جو کچھ ہے وہی ہے۔ خالق عین خلق ہے اور خلق عین خالق ہے۔ اور یہ کہ کہتے ہیں کہ حق بیچون بے چگونہ و بے شبیہ و بے نمونہ و بے ناسد ہے کہ نہ اس کے کوئی صورت ہے نہ شکل اور نہ اسکا کوئی مکان ہے وہ قدیم وحی لایزال ہے وہ اول و آخر ظاہر اور باطن ہے وہی باقی ہے ہر آئینہ یہ تمام صفات اس وجود میں ظاہر کر دیں گئیں اور ثابت کر دیا گیا کہ وہ ہی ہے۔

بیت

آں جہاں را دیدہ ام اندر کس	اس کس اندر جہاں اوردہ ام

اور تمام صفات کو کہ باعتبار اسکی ذات کے غیر ہیں اسکے ظاہر اور مطابق کر دیا۔ معہ دلائل عقلی و نقلی کے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ موحد غلطی پر نہیں ہیں۔ اور اصول تمام اہل تصوف کے تصوف میں یہی ہیں اور یہی اصل قوی اور سب سے برتر ہے۔

مثنوی

ایں سخن شیر ست در پستان جان	بے کشندہ خوش نمیگردد رواں
مستمع چوں تشنہ جوییدہ شد	واں غلط ار بریہ بدگوییدہ شد
مستمع چوں تازہ آید بے ملال	صد زباں گردد بگفتن گنگ لال
آں سار سر ہمی لو دست و ر د	کہ جہاں طعلی سخن آغاز کرد

ہر کجا درد سے دوا آنجا رود	ہر کجا فقرے نوا آنجا رسد
ہر کجا مشکل جو آب آنجا رود	ہر کجا تشنہ است آب آنجا رود
پس کنیم چون زیر کان این بست	بانگ زد کردم اگر درده کس ست

اب کہ اثبات حق و نفی غیر سے فارغ ہوا تو اصل اول تمام ہوئی

اصل دوم

رفع کثرات دنیا کے بیان مین - اور اثبات وحدت وجود مین لعبارت دیگر - سوال اوّل اگر وجود ایک ہے تو یہ تمام کثرت و اضداد کس لئے اور فقر وغنی صحت و رنج موت و حیات پیر و جوان احمق و عاقل مومن و کافر نور و نار سایہ و خورشید رات و دن صلح و جنگ شادی وغمی قوت و ضعف بہار و خزان و گرمی و سردی گرم و سرد تر و خشک دور و نزدیک خواجہ و غلام رومی و زنگی ہندی و ترکی فارسی و عربی تلخ و شور دریا و جنگل لطف و قہر شہد و زہر نوش و نیش و زخم و مرہم یہ کیا ہین کیونکہ اگر وجود صرف ایک ہوتا تو یہ اضداد نہوتے اور جب کہ یہ تمام اضداد ہین تو معلوم ہوا کہ کثرت ہے -

جواب اوّل وجود واحد ہے اور قیام وجود کا اضداد سے ہے کیونکہ اگر اضداد نہوتے تو وجود نہوتا - پس اضداد عین یگانگی ہے - اور وہی ایک وجود نموّد ہین ہی کہ کثرت کی صورت مین ظاہر ہورہا ہے - کہ نور بھی وہی ہے اور نار بھی وہی ہے اور یار و اغیار بھی وہی ہے - کعبہ و دیر بھی وہی ہے جو کچھ ہے وہی ہے اگر کہا جاوے کہ تفاوت و ضد جنس مین ہوتا - جب کہ انسان و حیوان نباتات و جمادات خالق و ا

باد و آتش۔ اور افلاک۔ اور یہاں غیر مراد ضد ہے۔ کیونکہ اگر ضد ہو تو غیر نہیں ہو سکتا۔ اور اسی قدر اضداد کافی ہے کہ انسان غیر حیوان اور حیوان غیر نباتات اور نباتات غیر جمادات اور جماد غیر خاک اور خاک غیر آب اور آب غیر باد اور باد غیر آتش اور آتش غیر افلاک ہے۔ پس چاہیے تھا کہ ہر جنس اپنی جنس کے ساتھ یکرنگ ویکساں ہووے۔ اور تفاوت عالم اجساد کا اسواسطے ہے۔ کہ خاصیت اجسام کی یہ ہے کہ جب ایک جنس کسی جنس کے ساتھ ملتی ہے اور مرکب ہوتی ہے۔ تو صورت و خاصیت دونوں کی بدل جاتی ہے اور ایک ایسی حالت و صورت پیدا ہوتی ہے کہ دونوں میں سے کسیکے ساتھ نہیں ملتی۔ جیسا کہ آگ میں کچھہ مخلوط نہیں ہوتا ہے کیونکہ اپنی رنگ و خاصیت پر ہے مگر وہ دوسرے دل سے ملتی ہے۔ خاصیت اس کی یہ ہے مولوی رومی فرماتا ہے۔

ارتقا ہر کسے چیرے خوری	ار قرآں ہر قریں چیزی بری
چوں سیادہ با سپارہ تدقریں	لایق مرد و اثر زاید یقیں
ارقران مرد و زن زاید بسیر	جو د رسنگ و آہن آید ہم شرر
ارقران خاک با باراںھا	میوہ ہا و سبزہا ریحانھا
ارقراں سبزہا با آدمی	ی فسا ید دل خوشی دلی غمی

اے عزیز خاصیت اجسام کی یہی ہے کہ کسی دوسرے سے مل کر رنگ دیگر حاصل کرتا ہے۔ سدا تمام اشیا کا صرف ایک جز تھا اور جب وہ جز جوش میں آیا ایک اور چیز حاصل کی اپنی ہی ذات میں سے۔ کما قال مولانا ے

ناگہان در جوش آمد بحر جود ÷ جملہ را در خود ز خود پیدا نمود

اور جب دونون آپسمین ملے شے دیگر حاصل ہوئی علیٰ ہذا القیاس
جیسا کہ آدم علیہ السلام ایک تھے اور جبکہ ان سے بلا کسی جزو کے
کمی کی حوّا پیدا ہوئین اور باہم دونون جفت ہوئے فرزند پیدا ہوا
علیٰ ہذا القیاس تمام پیدا ہوئے۔ پس اگر حقیقت مین دیکھو تو یہ تمام
غیر آدم نہین ہین۔ جیسا کہ درخت چھوٹا تھا جب خاک سی قرین
ہوا بزرگ ہوا۔ تو کیا وہ شجر غیر دانہ ہے اگر غیر دانا ہوتا تو لازم
آتا کہ بلا دانہ کے ہوتا پس ثابت ہوا کہ شجر عین دانہ ہے اور جبکہ درخت
بڑا ہوجاتا ہے تو بہت سے دانہ مثل اوس دانہ کے اس مین پیدا ہوجاتے
ہین۔ پس گردش وکثرت اس وجود کی اس اعتبار سے ہے۔
جاننا چاہیئے کہ تفاوت واضداد وجود کی گردش سے ہے۔ اور صفت
زمان ومکان کی اجسام کی آمیختگی سے ہے۔ اور حقیقت مین وجود
کو آن اضداد کے ساتھہ قیام ہے۔ اور نوع انسان مین بھی
تفاوت بہت ہے۔ ایک فقیر ہے ایک غنی ایک صحیح ہے ایک
علیل۔ اسیطرح پر جمیع امور مین قیاس کرنا چاہیئے۔ نزدیک
اہل شرع کے آدمیون کے نصب مین تفاوت تقضائے خدا تعالےٰ
ہے اور کوئی شے بلا حکم خدا کے نہین ہوئی ہے اور کسیکو مجال
چون وچرا نہین۔ اور نزدیک اہل نجوم کے تفاوت آدمیون کے
نصب مین بواسطہ نجوم کے ہے کہ سعد ونحس ہوتے ہین۔ اور شکم
مادر ہی مین تربیت طفل کے اور علت اور تونگری وغنا وغیرہ
باعتبار نجوم کے ہوتی ہے کیونکہ نزدیک اہل نجوم کے جو امر کہ اس

جہاں میں واقع ہوتاہے وہ بواسطہ سیارہ یا ستارہ کے ہوتا ہے۔ اور حکماکے نزدیک تفاوت نصیبین اور اعداد آدمیوں میں بواسطہ عقل کے ہے کیونکہ جب کہ عقل کہ مربی عالم علوی وسفلی کی ہے متفاوت ہی تو اسکی آثار بہی متفاوت ہونے چاہیں کیونکہ جو شخص کہ عقل کامل رکھتا ہے اور عادت نیک وہ تمام آدمیوں میں بزرگ اور معتبر خیال کیا جاتاہے تمام اسکو اپنا مخدوم خیال کرتے ہیں۔ اور عقل میں قابلیت بہت ہی اور متفاوت ہے اور مربی تمام عالم کی ہے پس جب کہ عقل میں تفاوت ہے تو پہر نصیبین بہی تفاوت ہوگا اور عند الموحدین تفاوت آدمیوں کے نصیبین اور اضداد وجود میں اس لئے ہے کہ قیام اس وجود کا بواسطہ اضداد کے ہے اگر اضداد نہو تو عدم ہووے۔ وجود۔ کس لئے کہ اضداد آئینہ ایکدوسرے کے ہیں۔ اگر رات ہوتی دن ہوتا جب کہ رات ہے دن بہی ہے پس دونوں ایک ہیں۔

نظم

اگر خورشید بریک حال بودی
شعاع او بیک منوال بودی

ندانستی کسے کیں پرتو اوست
نبودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

پس معرفت خورشید کی بواسطہ عروج و نزول کے ہے۔ اگر عروج نہوتا۔ نزول نہوتا۔ اگر بھوک ہے تو سیری کی ہی لذت ہی اگر سیری ہوتی گرسنگی ہی نہوتی۔ پس وجود اضداد کا بواسطہ قیام اُس وجود کے ہے۔ اگر اس وجود میں سے ایک حرف الی ہوجاے

تو تمام وجود فانی اور عدم ہوجاوے کیونکہ قلب حقایق محال ہے اور ذرہ ذرہ ایک دوسرے کا محتاج ہے۔

نظم

اندرین رہ جزو کل محتاج یکدیگر شدند
عیب گوئی می شود پیغمبری پردہ دار

اگر کناس نبود در ممالک
ہمہ خلق افتند اندر ہلاک

پس مقرر ہوا کہ وجود قایم باضداد ہے۔ اور تفاوت آدمیوں کے نصب میں اس واسطے ہے کہ ہر کس و ہر جزو میں قابلیت پائی جاتی ہے اور اس سے وہ فعل ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی مبدا میں یہ وجود ایک ہے اصلا اس میں تفاوت نہیں ہے لیکن اسکی ذات میں تمام اشیاء کی قابلیت ہے۔ اور قابلیت باہم متفاوت ہیں اور اس کی اصل میں دو قابلیت ہیں۔ ایک اجسام اور صورتہائی مختلف۔ اور دوسری قابلیت نصب ارواح کی۔ کیونکہ ہر شے اپنی قابلیت کی صورت پر کہ جو اسمین تھی۔ قوۃ سے فعل میں آئی اور موافق اس صورت کے روح اس میں داخل ہوئی۔ اور خاصیت موافق روح کے پکڑی۔ جیسی کہ پانی کوزہ میں بصورت کوزہ کے ہے۔ جو صورت کہ کوزہ کی تھی وہی اسنی اختیار کی۔ پس جس صورت پر کہ جسم درست ہوا روح بھی موافق اسی جسم کے اس میں داخل ہوئی اور جو صورت کہ روح نے پکڑی موافق اُس خاصیت کے عقل و نصب پیدا کیا بہ تفاوت۔ مثلاً اگر کسی مشک کو پھونکو تو وہ دم بصورت اس مشک کی ہوگا

اگرچہ دم کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور جس مقدار یہ کہ مشک ہے
اسی مقدار اس سے کام ہو سکتا ہے۔ مثلاً۔ اگر چرم گاؤ سے ایک
مشک سائی جاوے البتہ وہ بصورت دیگر ہوگی اور جب اس کو
پھونکو اور اس کو دریا میں ڈالدو البتہ وہ بہ نسبت بکری کے چمڑے
کے زیادہ کام کر سکتی ہے اور زیادہ بوجھ اٹھا سکتی ہے۔
اور دم میں کہ بجائے روح کے ہے اور کام میں کہ بجائے نفس
کے یہ تفاوت ہے۔ پس آدمیوں کے نفس میں تفاوت
اسی سے ہے۔ اور اضداد صورتیں اسی طرح ہیں اور تمام آدمیوں
کے نفس میں تفاوت اسی سے ہے مگر فی الحقیقت تفاوت اور
ضدیت نہیں ہے کیونکہ تمام اضداد واسطے مددوجود کے ہیں اور
قیام اس وجود کا بواسطہ ضدیت ہی۔ اور حقیقت میں نہیں ہے
کیلئے کہ خلاف صورت اور خلاف کار بواسطہ قیام یکدیگر کے
ہے۔ جس طرح کہ آسمان عناصر کے واسطے گردش کرتا ہے اور عناصر
موالید ثلثہ کے واسطے ممتزج ہوتی ہیں اور موالید انسان کے
واسطے ہے۔ اور انسان سب شے کے واسطے۔ کیونکہ اس روئے
سعی کے تمام کی سیر اور عود مبدا اصلی کیطرف ہے۔ پس
دیکھا چاہئے کہ تمام عالم انسان کے واسطے ہے۔ اور انسان
سب کے واسطے۔ پس حقیقت میں نظر کرنا چاہئے کہ اگرچہ بظاہر
ظاہر میں متفاوت ہیں مگر معناً متفاوت نہیں کیونکہ سبکی گردش
ایک کے لئے ہے۔ اور ضدیت صورتی بواسطہ قیام صورت
ہے۔ کیونکہ اضداد آئینہ ایک دوسرے کے ہیں۔ جبکہ ایکدوسرے

حقیقی حق کے لئے ہے۔ اور سوائے حق کے کوئی موجود نہیں ہے۔
پس جب کہ تمام حق ہے تو ما کس کے لئے ہے۔ اور حقیقت اشیا
کا فنا ہونا محال ہے۔ کیونکہ قلب حقایق اس سے لازم آتا ہے
پس جو چیز کہ وجود ہے عدم نہیں ہوتی اور جو کچھ کہ عدم ہے
موجود نہیں ہوتی۔ وجود اور عدم کی حقیقت میں بہت سے اقوال
ہر گروہ کے مشہور ہیں۔ بعض کے نزدیک وجود کی تین قسمیں
واجب ممتنع اور ممکن۔ واجب وہ ہے کہ ہمیشہ تھا اور ہے اور ہوگا
اور ممکن وہ ہے کہ ہرگز نہ تھا مگر اب ہے پھر نہ ہوگا ہونا نہ ہونا اس کا
مساوی ہے اور ممتنع وہ ہے کہ ہرگز نہ تھا اور نہ ہے اور ہرگز
ہوگا۔ واجب خدا کو کہتے ہیں اور ممکن خلق کو اور ممتنع شریک
حق کو۔ اور یہ قول بعض متصوفہ کا ہے کہ موافق اصطلاح شرع کے
کہا ہے۔ اگر چشم انصاف اور نظر حقیقت سے غور کرو کہ جو کہ
واجب وہ ہے کہ اسکا ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال ہو اور ایسی
اوکو خدا کہتے ہیں۔ اور ممکن وہ ہے کہ جس کا ہونا نہ ہونا مساوی ہے اور
اس کو خلق کہتے ہیں۔ لیکن اس ممکن کا وجود حالی ہے کہ حال
میں وجود رکھتی ہے اور اختیار رکھتی ہے۔ اور ہونا نہ ہونا اس کے
ہاتھ میں ہے اور فاعل مختار ہے۔ اور علماء معتزلی کا جو یہ اعتقاد ہے
کہ بندہ خالق افعال ہے اور اشاعرہ کے نزدیک خالق افعال
نہیں ہے۔ لیکن اختیار رکھتا ہے۔ اور ممتنع وہ ہے کہ عدم ہے
اور نہ ہوا اور نہ ہے اور ہرگز نہ ہوگا۔ اور یہ شریک حق ہے پس
ہم اس گروہ سے کہتے ہیں کہ جب تم شریک حق کو عدم کہتے ہو تو پھر بندہ

کو فعل حق مین کس لئے شریک کہتے ہو۔ کیونکہ جبکہ بندہ خالق افعال اور فاعل مختار ہوا تو یہ آیۃ کہ۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ باطل ہے۔ کیونکہ اسکے یہ معنی ہین کہ اللہ نے پیدا کیا تمکو اور جو کچھہ تم کرتے ہو یعنی تمہارے فعلون کو۔ تو اسسے ثابت ہوا کہ خدا بندہ کو فعل مین شریک رکھتا ہے۔ جب کہ اس طرح کا اعتقاد ہے تو پھر مشرک ہوئے والا نہ وجود ممکن کو اور شرکت فعل کو ممتنع جاننا چاہئے۔ اور جب کہ ممکن کو عدم جانا تو پھر سوائے حق کے مطلق کوئی موجود نہین ہے اور فاعل مطلق اور خالق افعال اور فاعل مختار وہی ہے۔ کیونکہ اگر ممکن کو عدم نہ جانتے تو خدا کے ساتھہ شرکت لازم آتی ہے۔ پس اسمین یا تو ممکن کے وجود کے نفی کرنے چاہئے یا اثبات شرکت کا کرنا چاہئے اگر ممکن کے نفی کی تو موحد ہوگے ورنہ مشرک۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ جو کچھہ کہ نیک ہے وہ از جانب حق ہے اور جو بدی وہ از جانب نفس ہے۔ ہم موافق قول حق کے یہ کہتے ہین کہ اس نے نیکی نسبت اپنی طرف کی ہے اور بدی کی ہماری طرف۔ تو معلوم کرنا چاہئے کہ یہ قول بہ نسبت اس کے ہے۔ حقیقت مین ایسا نہین ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بندے خالق بدی ہوتے۔ پس فعل باری مین شرکت ہوتی۔ پس ایسا لازم ہوا کہ جو کچھہ نیکی ہے وہ خدا کی طرف سے اور جو کچھہ بدی ہے وہ ہماری طرف سے۔ خدا فاعل بدی مین نہین ہے۔ فاعل بدی مین شیطان ہے۔ اس وجہہ سے حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ قدریہ میرے امت کے گبر ہین کیونکہ بندہ کو فاعل مختار اور فاعل مطلق اور خالق افعال کہتے ہین

در یہ اعتقاد کہ حسنت و قنتری ہا من اللہ تعالےٰ - اس سے
باطل ہوتا ہے اور معتزلہ اور اشاعرہ کے نزدیک بالقطع جو د
ایسا ہے کہ بدی بالکل ہماری طرف سے اور نیکی خدا کی طرف
بلکہ نیکی اور بدی میں اپنے تئیں خدا کے ساتھ شریک
دیکھتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ فعل میں اختیار رکھتے ہیں کیا نیکی اور کیا
بدی - پس ہم اس گروہ سے کہتے ہیں کہ انکو ایسا اعتقاد کرنا
چاہئے کہ جیسا اس آیۃ میں ہے اور اگر ایسا اعتقاد کیا کہ بدی ہم
سے اور نیکی خدا کی جانب سے تو یہ اعتقاد گبروں کا ہوا - اور
اس اعتقاد میں شرکت محض ہے - اور نسبت نیکی کی طرف حق
کی اور بدی کی طرف اپنی از روئے ادب کے ہے - بقول حافظ

بیت

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش گو گناہ منست

اور اگر بندہ فاعل مختار ہے تو آیا ہر فعل کہ انسان کرتا ہے اور
اسمیں اختیار رکھتا ہے وہ موافق قضائے حق ہوتا ہے - یا مخالف
اس کے - اگر یہ کہا جاوے کہ قضائے حق اسیطرح واقع ہوئی کہ
بندہ ایسا کرے تو پھر یہ قول کہ بندہ مختار ہے باطل ہے - کیونکہ
جب قضائے حق اسیطرح ہوئی کہ یہ فعل اس طرح پر واقع ہوو
تو پھر یہ عمل فعل حق کا ہوا - نہ کہ فعل بندہ کا - اور اگر یہ کہا جاوے کہ
فعل بندہ کا موافق قضائے حق کے نہیں ہے بلکہ یہ خود اختیار
رکھتا ہے - تو پھر مشرک ہوئے - کیونکہ بلا قضائے حق کسی فعل
کا واقع ہونا محال ہے - پس اضافت کو بندہ سے دور کرنا لازم ہے

اور جاننا چاہیے کہ فاعل مطلق حق ہے اور سوائے حق کے کوئی
موجود نہین ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ہم نے فرض کیا کہ بندہ
محض مجبور ہے اور اختیار فعل کا کچھہ نہین رکھتا ہے۔ اور فعل بندہ کا
فعل حق کا ہے۔ تو اس سے نفی فعل بندہ کی ثابت ہوئی مگر وجود ممکنات
کا کس وجہہ سے معدوم مانا جاوے اور اثبات واجب کا کیا جاوے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کہ اضافت فعل کی بندہ کی طرف
سے دور کردی جاوے اور حق کی طرف کی جاوے۔ تو سراسر
یہ بات لازم پھر آتی ہے کہ بندہ فعل حق کا آلہ ہے۔ تو حق اپنی فعل
مین محتاج آلہ کا ہوا۔ پھر آلہ اس کا عین اسکا ہے یا غیر اسکا۔ یعنی عین
حق ہے یا غیر حق۔ اگر عین حق ہے تو پھر وہ آلہ نہین ہے اور اگر غیر
حق ہے تو حق اپنی فعل مین محتاج غیر کا ہے تو اس سے شرکت
ثابت ہوتی ہے۔ پھر آلہ اس کا قدیم ہے یا حادث اگر قدیم ہے
تو یہ درست نہین اور اگر حادث ہے تو بھی درست نہین۔ کیونکہ
جو چیز کہ جدید ہے وہ آلہ قدیم کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ قدیم
کے واسطے آلہ بھی قدیم ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ قدیم
کا آلہ جدید ہو۔ پس بتلانا چاہیے کہ کس اعتبار سے ممکن کے موجود
کا اثبات کرین۔ یا تو اثبات شرک فعل حق مین لازم آتا ہے
یا نفی فعل ممکن کی۔ جب کہ نفی ممکن کے فعل کی کیگئی تو پھر اس کا
وجود بھی نفی ہوا۔ کیونکہ جس چیز مین کہ فعل نہین پایا جاتا اُسکا
وجود بھی نہین پایا جاتا۔ کیونکہ وجود کیلئے فعل لازم ہے۔ پس
وجود خاص فاعل مطلق کے لئے ہے۔ اور غیر حق کے لئے وجود

نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ جس چیز کو ممتنع کہتے ہیں وہ ممکن ہے اور جو
ممکن ہے وہ ممتنع ہے۔ اور بحر واجب کے کچھ نہیں اور ممکن ممتنع اور
واجب تینوں ایک ہی کیونکہ ممکن ممتنع ہی اور ممکن واجب ہے اور جو کچھ واجب ہے
وہی ممتنع ہے اور باعتبار تمہارے ممتنع ہے۔ پس مقرر ہوا کہ تینوں
قسم وجود کی ایک ہیں۔ اور عدم کی بھی تین قسم ہیں۔ ایک تو
یہ کہ یہ ہرگز تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔ یہ عدم مطلق ہے کہ غیر یک
وجود ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ تھا اور اب نہیں ہے۔ جب کہ
وقت ماضی کہ وہ بھی عدم ہے اور تیسرا عدم یہ ہے کہ فی الحال
نہیں ہے مگر ہوگا۔ یعنی مستقبل۔ کہ اب نہیں ہے فی الحال
عدم ہے جب ہوگا ہوگا۔ پس عدم اوّل کو عدم مطلق اور
دوم کو عدم سابق اور سوم کو عدم لاحق کہتے ہیں۔ پس جاننا
چاہئے کہ جس طرح وجود کی تین قسم ہیں وجود واجب اور
وجود ممکن اور وجود ممتنع اور پھر یہ ایک ہے۔ اسی طرح عدم
کی بھی تین قسم ہیں اور یہ بھی ایک ہے۔ مگر ممتنع ممکن ثابت
ہوئے اور ممکن واجب پس جو شئے کہ اس بیر وجود کا نام
ہے واجب ہے اور وہ ایک چیز ہے ایک سے زیادہ
نہیں ہے۔ جاننا چاہئے کہ واجب وجود مطلق ہے۔ اور
غیر اس کے عدم مطلق ہے عدم بھی ایک ہے اور وجود
بھی ایک ہے بلکہ یہ دونوں ایک ہیں یا عدم مطلق ہے
کہنا چاہئے یا وجود مطلق۔ عدم سابق اور عدم لاحق
دونوں نہیں ہیں جو کچھ ہے عدم مطلق ہے۔ اور یہ وجود

نہ آتا ہے نہ جاتا ہے - یعنی وجود عدم نہین ہوتا ہے اور عدم وجود
نہین ہوتا وجود اپنی وجودیت پر باقی ہے اور عدم اپنی عدمیت پر
عدم وجود کے ساتھہ مثل نور و ظلمت کے جمع نہین ہو سکتا۔
وجود مطلق کو قیام گردش سے ہے اور گردش وجود کو لازم
ہے - اور عدم مطلق کو ایک حال پر قیام ہے اپنی عدمیت پر
فی الحقیقت استقامت رکھتا ہے - اور وجود کو بھی قیام
ایک حال پر ہے کیونکہ گردش اسکی ایک حال پر ہے اگر اس
کی گردش دوسری حال پر ہوتی اُسوقت کہا جا سکتا تھا
کہ فانی و متغیر ہوا - اور بحالت دیگر ہو گیا - پس یہ آنا جانا حقیقت
مین آمد و شد نہین ہے بلکہ ایک قرار ہے - معنی الآن کما کان
یہی ہین اور عدم بھی اپنی عدمیت پر قائم ہے - پس عدم وجود
ہو جاوے اُس وقت عدم متغیر ہو جاوے تب کہہ سکتے ہین کہ
کہ فانی ہوا اور اگر وجود عدم ہو جاوے اُس وقت وجود
ایک قرار پر نہین ہو سکتا پس محال ہے کہ وجود عدم ہو جاوے
ہر آئینہ گردش اسکی برقرار ہے - اور قرار اسکی گردش ہے
پس وجود مین خاصیت عدم کی اور عدم مین خاصیت وجود کی
ہے - پس وجود اور عدم ایک ہوے اور فی الحقیقت ایک
ہین پس جو کچھہ موجود ہے یا اُس کو وجود مطلق کہنا چاہیے یا عدم
مطلق - پس جو کہ وجود مطلق ہے وہی عدم مطلق ہے اور جو کہ
عدم مطلق ہے وہی وجود مطلق ہے - پس جاننا چاہیے کہ وجود
ایک ہے اور وہ حق ہے - اور کوئی جز اس وجود مین فانی

نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہی ہے۔ قبل اس کے کہ انسان نہ
تھا آسمان اور عناصر تھے اب کہ انسان بھی پیدا ہوا وہ بھی موجود ہیں اور
اگر میت ہو گئے یہ سب ہو گئے۔ پس اب اس میں کوئی چیز
زیادہ نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے موج
و حباب کہ ان سے دریا میں بجز نام کے کچھ زیادہ نہیں ہوتا
بعد از ساعت بھی دریا ہو جاتے ہیں کما قیل **بیت**

موج و حباب ہر چہ بود جملہ گرد دان	دریاست ہر چہ ہست مگو ما کجا چیست

پس جب کہ حباب نہ تھے دریا تھا اور اب کہ حباب نہیں ہے
دریا ہے۔ اور حباب بھی دریا ہی ہے۔ ہر آئینہ دریا عین حباب
ہے اور حباب عین دریا۔ اور عین وجودیت میں حباب و موج
بھی دریا ہیں۔ اور تمام حال میں دریا ہے اور موج بھی اس کے
ساتھ ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ موج و حباب دریا کے ساتھ
ہو ویں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موج و حباب لازمہ دریا ہیں
کہ دریا کے قصد سے۔ بلکہ نمود اور خاصیت دریا کی یہی ہے کہ تموج
موج و حباب اس کے ساتھ ہوں **بیت**

ہر نقش کہ بر صفحۂ گیتی پیدا است	آن صورت آنکس ست کان نقش آرا است
دریائے کہن چو میزند موجے نو	موجش خوانند و در حقیقت دریاست

جاننا چاہئے کہ یہ وجود قائم ہے اور کوئی ذرہ اس کا فانی نہیں ہے
عالم قوۃ سے عالم فعل میں آتے ہیں اور پھر جاتے ہیں۔ پس فی الحقیقت
وہی ہے کہ ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اور اگر کوئی آدمی روز یہ دس
کپڑے تبدیل کرے تو ذات اوس شخص کی متغیر نہیں ہوتی ہے

اگر اب سے پہلے جہان مین ولی تہا تو اب بہی ہے اگر صالح تہا اب بہی موجود ہے اگر فاسق تہا اب بہی ہے علیٰ ہذا القیاس جو قسم کہ تہی اب بہی ہے - روشن مثال اُس کی یہ ہے مثلاً ایک شخص کہیت مین گیہون بوتا ہے ایک پانی دیتا ہے ایک کاٹتا ہے - ایک کہلیان جمع کرتا ہے ایک صاف کرتا ہے ایک گدہے پر لادتا ہے - ایک شہر مین بیچتا ہے ایک دوکان مین رکہتا ہے ایک خریدتا ہے ایک پیستا ہے ایک خمیر کرتا ہے ایک کہاتا ہے - اور جب کہ کہاتا ہے تو مطابق حکمت کتنی ہی جگہہ مضم ہوتا ہے پہر نطفہ ہوتا ہے - پس جاننا چاہیے کہ یہ تمام آدمی وجود روٹی کے واسطے شمار کیے گئے اگر ایک بہی نہووے تو روٹی پختہ نہووے -

مثنوی

گندمے را زیر خاک انداختند	پس ز خاکش خوشہ ہا بر داشتند
باز دیگر کوفتندش ز آسیا	قیمتش افزون کہ جان شد جانفزا
باز نان را زیر دندان کوفتند	گشت عقل و فہم جان ہوشمند
باز آن جان چون کہ محو عشق گشت	نعمت المزراع آمد وقت کشت

پس جاننا چاہیے کہ جو کچہہ اس وجود مین ہے سب ضروری ضروری ہے اگر ایک بہی نیست ہو جاوے تو تمام وجود بیکار و معطل ہے تا مقتضائے حکمت موجود کا یہی ہے کہ اس طرح پر ہو - جو کچہہ اس وقت دکہائی دیتا ہے ہمیشہ تہا اور ہمیشہ رہیگا - اگر یہ

کہا جاوے کہ جب کہ آدم نہ تہا تو یہ سب کہاں ہے۔ جاننا
چاہئے کہ اگرچہ آدم ایک تہا مگر تمام اس کی قوت میں تہے
اور آدم بہی اپنے آدم ہونے سے پہلے قوۂ وجودی میں تہا
علیٰ ہذا القیاس ذات پاک بیچون ذات بحت منقطع الاشارات
تک پس جاننا چاہئے کہ تمام عدم قدیم سے اور ایک ذرہ بہی حادث
نہیں ہے ایک ذرہ میں صدہزار چیزیں کُلُّ شَیْءٍ فِی کُلِّ شَیْءٍ

بیت

این ست بیان آنکہ عارف گوید	باشد ہمہ چیز مندرج در ہمہ چیز

جاننا چاہئے کہ اہل نظر ازل اور ابد کو ایک دیکہتا ہے۔ اور لہ
سہی آسے طالب اگر طلب کرے گا پاویگا کامل وہ شخص ہے
کہ اول کو آخر میں اور باطن کو ظاہر میں۔ اور تمام چیز کو تمام چیز

مثنوی

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں	پیر اندر خشت بیند بیش از آں
پیر ایشانند کیں عالم نبود	جان ایشاں بود در دریای جود
پیش ازیں تن عمرہا بگذاشتند	پیشتر از کشت بر برداشتند
پیشتر از نقش جان پذرفتہ اند	پیشتر از بحر درہا سفتہ اند
پیشتر از افلاک کیوان دیدہ اند	پیشتر از دانہ نانہا دیدہ اند
نے دماغ و دل پر از فکرت بدید	بے سپاہ و جنگ بر نصرت زدند
آں عیان نسبت بایشاں فکرت است	ورنہ خود نسبت بدوران رویت است

کثرت از ماضی و مستقبل بود — چون ازین دو رست مشکل حل بود
دید چون بے کیف سر کیف را — دیدیش از کان صحیح و ضعیف را
در تموز گرم مے بینید دمے — در شعاع شمس مے بینید مے
در دل انگور مے را دیدہ اند — در فنای محض شے را دیدہ اند
روح از انگور مے را دیدہ اند — روح از معدوم شے را دیدہ اند
آسمان در دور ایشان جرعہ نوش — آسمان از جود شان زربفت پوش
چون از ایشان مجتمع بینی دو یار — ہم یکے باشند ہم سہ صد ہزار
بر مثال موجہا اعداد شان — در عدد آوردہ باشد بادشان
معرفت شد آفتاب جان خلق — در بدن وزن آمد آن خلق
تفرقہ در روح حیوانی بود — نفس واحد روح انسانی بود
چونکہ حق رش علیہم نورہ ہو — مستغرق ہرگز نگردد نور ہو

جاننا چاہیئے کہ وجود ایک سے زیادہ نہین ہے اور وہ ایک ہرگز فانی نہین ہے اور وہ اللہ ہے کبھی بقوۃ اور کبھی بفعل یہ وجود ہمیشہ اسی طرح سے ہے۔

سوال تیسرا جبکہ وجود ایک ہے اور ہرگز فانی نہین ہے جیسا کہ دلایل سے ظاہر ہوا۔ اور فنا و عدم بھی اس وجود سے ساقط ہین۔ تو پھر یہ کثرت اعداد آیا وجود مین ہے یا نمود مین اگر وجود مین ہین تو وحدت الوجود باطل ہے اور اگر نمود مین ہے تو دلایل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ یہ سب نمود ہے کیونکہ ہمکو بظاہر کثرت تعداد وجود مین دکھلائی دیتی ہے۔

جواب کثرت تعداد فی الحقیقت نمود مین ہے نہ کہ وجود مین

مثلاً اگر سو چراغ روشن کئے جاویں اور ہر ایک کو جدا جدا خیال
کریں تو البتہ نمود میں لیکن عدد پایا جاوے گا نہ کہ حقیقت میں
کیونکہ چراغوں کے نور میں تعدد نہیں ہے تمام چراغوں پر
وہی آگ ہے جو کہ ایک ہی ہے اور ایک ہی نور ہے۔ اور
اگر ایک گرد سو آئینہ رکھے جاویں تو سو صورتیں دکھلائی دینگی
اگرچہ وجود میں ایک ہی صورت ہے اور اس کی یگانگی میں
کچھ شک نہیں ہے اور اسی طرح سے اگر آفتاب سو روزنوں
میں چمکتا ہے تو البتہ روزن میں تعدد پایا جاتا ہے مگر نور آفتاب
میں کچھ تعدد نہیں ہے۔ نور اس کا ایک ہے ہرگز تعداد
میں تفاوت نہیں۔ تو جاننا چاہئے کہ تمام عالم عرش اعظم
سے ثریٰ تک اسیطرح تعدد نمودی رکھتا ہے اور یہ نمود بجز
خیال اور عکس کے کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے تمام خیال و تمثیل ہے

رباعی

این لقتہا کہ ہست ہمہ در تماشا ست	اندر نظر چو صورت بسیار آمدہ
این یک حقیقت ست ولی در صفات شیوا	اعیاں ممکنات بہ اطوار آمدہ
این موجہاں بحر محیط حقیقی ست	این وحدت ست لیک بتکرار آمدہ

اگر یہ کہا جاوے کہ ہم کس طرح سے جانیں کہ یہ تعدادات خیال
و نمود ہیں۔ کیونکہ جب کہ ہمکو رنج ہوتا ہے ہم ناخوش ہو جاتے
ہیں اور جب کوئی شادی کی بات ہوتی ہے ہم خوش حال
ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمکو مارتا ہے ہم مر جاتے ہیں اوسکو

ہمارے خاطر کرتا ہے ہم بہت خوش ہو جاتے ہین لیکن پھر کس طرح یہ رنج
و محنت و شادی خیال ہی موہوم ہو سکتی ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے
کہ مثلاً کسی شخص نے خواب مین دیکھا کہ لشکر دو کین آپسمین جنگ ہو رہی ہے
یا کسی نے خواب مین اسکو مارا اور تمام مال لوٹ لیا اور اسکو بڑا رنج ہوا
یا دیکھا کہ بادشاہ کے پاس گیا اور اُس نے اسکو انعام دیا اور یہ خوش
ہوا۔ اور مال بہت سا پایا یا اس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ یا کوئی دوست
یا رشتہ دار دور سے آیا یا کسی مُردہ کو زندہ یا زندہ کو مُردہ دیکھا یا اپنے تئین
آسمان پر دیکھا یا کوئی کی گہرائی مین یا قید خانہ مین گیا یا باغ مین۔
علیٰ ہذا القیاس جو کچھ یہ شخص خواب مین دیکھتا ہے جانتا ہے کہ جو کچھ مین
دیکھ رہا ہون فی الحقیقت ایسا ہی ہے اور کچھ اسمین فرق نہین
ہے اور یہ نہین جانتا ہے کہ مین خواب دیکھتا ہون۔ کیونکہ اگر یہ
یقینی ہوتا کہ مین خواب دیکھتا ہون تو رنج و شادی سے غمگین و خوشحال
نہوتا اور جب کہ بیدار ہوتا ہے جانتا ہے کہ جو کچھ مین دیکھتا تھا وہ
سب خواب تھا۔ اور صرف ایک خیال و عکس و نمایش تھی۔ اور
تاسف کرتا ہے کہ اُن سب کا کچھ وجود نہین ہے بجز خیال و عکس
کے کیونکہ جو کچھ بیداری مین دیکھتا تھا اور تصور کرتا تھا وہی البتہ خواب
مین دیکھا ہے اور جو کچھ خواب مین دیکھا ہے اس کا کوئی وجود نہ تو
ہے اور نہ ہوا ہے۔ محض دروغ ہے۔ جو کچھ کہ خواب مین دکھائی
دیتا ہے اور جو کچھ کہ بیداری مین معلوم ہوتا ہے۔ بیداری شریک
خواب ہے اور خواب شریک بیداری۔ آدمی خواب بیداری
مین فانی نہین ہوتا ہے ہمیشہ وجود رکھتا ہے۔ اور خواب کو

بیداری کے ساتھ یہ مشابہت ہے کہ جو کچھ کہ خواب میں دیکھتا ہے
اس کو استقامت نہیں ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اگر
انسان مرگ اختیاری مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا۔ یعنی مرنے سے پہلے
مر جاؤ۔ کو اختیار کرے قبل اسکے کہ وہ مرے تو اسکو حقیقت اس امر
کی ظاہر ہو جاوے کہ فی الحقیقت یہ تمام تعددات اشیاء جدا جدا نہ اشیاء
نہیں ہیں اور حقیقت میں یہ اشیاء ایک ہے وجود ہے اور وجود واحد
تمام اعداد میں ساری ہے بلکہ تمام عددیں واحد ہیں۔ کیونکہ اگر کسی
عدد میں سے واحد کو دور کیا جاوے تو وہ عدد اپنے اسم معین پر نہ رہے
بلکہ تغیر ہو جاویگا مثلاً ہزار میں سے اگر ایک عدد دور کیا جاوے تو
اسکو کوئی ہزار نہیں کہیگا بلکہ نوسو ننانویں کہنگے اور اگر اسمیں سے
بھی ایک عدد دور کیا جاوے تو پھر نوسو اٹھانویں ہوئے۔ علی ہذا القیاس
جس میں سے عدد واحد دور کیا جاویگا تو نام اس عدد کا قایم
نہ رہیگا پس وجود تمام اعداد کا واحد سے ہے بلکہ واحد سے کہ
ہزار کا نام اپنے اوپر رکھے ہوئی ہے۔ وجود حقیقی ایک ہے اسکو تعدد
صرف نمود میں ہے نہ کہ وجود میں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے حسن خیال
میں باہم دو لشکروں کے جنگ جدل اور کثرت فوجوں کا تصور کیا
اور تصور کرنے والے کو باوجود جنگ کے کچھ ضرر نہ ہوا۔ اور یہ صاحب
خیال ایک ہی آدمی تھا کہ اپنے خیال میں جنگ دو لشکر اور کثرت
و تفاوت کا تصور کیا اور یہ آدمی ایک ہی وجود برباد و ہو گیا۔
لیکن آیا ان دونوں لشکروں کا وجود حقیقی تھا یا نمود بے بود
ہر آئینہ جو کہ عاقل ہے جانتا ہے کہ صرف نمود بے بود تھی۔ جیسی

کوئی شخص اپنے وجود مین تصور شہر کا کرے اور شہر مین سو ہزار تعدد اور تکثر ہین ہر آئینہ اس شخص کے جسم مین کوئی تعدد او تکثر نہوگا۔ اور یہ سب تعینات نمود بے بود ہین جدا گانہ وجود نہین رکھتے۔ وجود صرف خدا کے لئے ہے۔ اور وہ ان تعینات مین کہ صرف نمود بے بود ہین ایسا مخفی ہوا ہے جیسے کہ ہوا سراب کی صورت مین مخفی ہے۔ تمام آدمی سراب کو دیکھتے ہین اور ہوا دکھلائی نہین دیتی۔ فی الحقیقت ہوا کا وجود پایا جاتا ہے اور سراب کا معدوم اسیطرح سے حق موجود ہے اور تعینات کا وجود نہین ہے۔ جس طرح سے کہ سراب نمود ہوا ہے اسی طرح تمام تعینات وظہورات نمود ذات اللہ کے ہین۔ نمود مین سراب غیر ہوا دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت عین ہوا ہے۔ اسیطرح نمود مین مخلوق غیر اللہ ہین مگر درحقیقت عین حق ہین۔ تعدد و تعین وتکثر وجود مین نہین ہے مگر نمود مین ہے کیونکہ وجود کی حقیقت ایک ہے ہرگز زیادہ نہین ہوتا ہے۔ اور حزن وغم اور شادی و نعمت مناسبت وجود کے ساتھہ نہین رکھتے نہ یہ شخص غمگین ہے نہ خوش نہ محنت مین ہے نہ راحت مین دونون عارضی اور وہمی ہین۔ جیسا کہ کہا کسی نے

بیت

دلے دارم کہ در وے غم نہ گنجد | چہ جائے غم کہ شادی ہم نہ گنجد

اگر مصور غمگین تصویر کا نقشہ بنا دے تو وہ تصویر نہ غمگین ہے نہ خوش اور اگر محبوب کا نقشہ بنا دے تو تمام باتین اسکی نہین ظاہر کرسکتا بقول کسی کے

بیت

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید ‎ حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

عکس ماہی را چہ دریا و چہ خاک ‎ رنگ بد را چہ صابون چہ پاک

عکس گر غمگین نگارد ور شوق ‎ او ندارد غم و شادی سبق

صورتش غمگین و او فارغ ازاں ‎ صورتش خنداں و او زاں بی نشاں

ایں غم و شادی کہ اندر دل خفیست ‎ پیش آں شادی و غم جز نقش نیست

صورت عکس نقش از بہر شست ‎ تا ازیں صورت شود معنی درست

نقشہائی کہ دریں جامہاست ‎ از برون جامہ کن چوں جامہاست

تا برون جامہا بینی و بس ‎ جامہ بیروں کن درآ ای ہم نفس

زانکہ با جامہ دراں سو راہ نیست ‎ تن ز جامہ جاں ز تن آگاہ نیست

جاننا چاہئے کہ حقیقت وجود کی یہ ہے کہ وہ تکرار سے دو نہیں ہوتا مگر اس بات کو وہ سمجھتا ہے جو کہ عین وحدت ہو جاتا ہے اور تمام تعدد و تعینات میں واحد کو دیکھتا ہے وہ دیکھے وہم ہوا اور تعین اور کثیر کو دیکھے اور واحد کو گم کرے۔ مگر افسوس کہ آدمی شخص کو چھوڑ کر سایہ کی درپے ہوتے ہیں کہ سایہ کا وجود ارجود ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ سایہ کا وجود نہیں سایہ تو شخص کا ہے۔ جیسا کہ نقل ہے کہ ایک احمق اپنے بیٹے کے ساتھ راہ میں جاتا تھا اتفاقاً ایک کنواں نظر آیا احمق نے کنوئے میں رسی ڈالی اور اپنی عکس کو پانی میں دیکھکر چلا اٹھا کہ اے بابا کوئی شخص کنوئے میں بیٹھا ہے بیٹا یہ سنکر دوڑی اور کنوئے میں دیکھنے لگی تو اپنا اور اپنے بیٹے کا سایہ دیکھکر کہنے لگی کہ اے بیٹے اسمیں تو ایک مرد ہے

نہین دیکھہ سکتی جیسے کہ انکھہ سب کو دیکھتی ہے اور اپنے تئین نہین دیکھتی ہے جیسا کہ کہا کسی نے

بیت

دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را	از مردمک دیدہ بباید آموخت

کیونکہ اگر آنکھہ نے اپنے تئین دیکھا تو پھر آئینہ اُس نے اپنے تئین نہ دیکھا بلکہ اپنے سے غیر کو دیکھا۔ کیونکہ نظر دیکھنے مین نظر غیر نظر ہے۔ اسی جگہہ سے ہے کہ کہا جنید بغدادیؒ نے کہ اگر خدا تعالے مجھہ سے آخرت مین فرماویگا کہ میری صورت دیکھہ مین کہونگا مین تجہہ کو نہین دیکھتا کیونکہ دیکھنے مین نظر غیر ہے اور جب کہ دنیا مین بواسطہ چشم مین تجھکو دیکھا ہے تو پھر نہین چاہتا کہ یہان بہی واسطہ چشم کا درمیان مین آوے۔ اگر بواسطہ چشم دیکھونگا تو غیرت واقعہ ہوگی کیونکہ جب تک مغائرت نہین ہوتی دید اور درست نہین ہوتا ہے۔ پس میرا دیکھنا اسکو درمیان علت کے ہے۔ اور جب علت درمیان مین ہوئی تو پھر دوئی ہے اور مین تجھکو بے من و توکے دیکھتا ہون۔ اور من اور تو دوئی ہے اور مین عین تو ہون پس عینیت مین نظر کہان پڑتی ہے مگر دید از غیرت درست نہین ہوتا۔

بیت

از غایت ظہور عیانم پدید نیست	چون آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم

رباعی

مائی ما درمیان ما و دریا حائل ست	ما ہمہ دریاد دریا عین ما بودہ وسلے

ورنہ نقش موج بیند ہر کہ او بر ساحل است		ہر کہ غرق بحر وحدت شد همه وا دارد

اور امام احمد غزالی رحمت اللہ علیہ نے لوائح میں بیان کیا ہے کہ موحد خدا کا عاشق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر موحد خدا کا عاشق ہو تو ہو رہتا کہ ہے موحد نہیں ہے کیونکہ حب عشق درمیان میں ہے تو دوئی ہوئی اور وحدت عین واحد ہوتا ہے۔ پس ایک عین میں عشق و عاشق و معشوق نہیں سماتے سب ایک ہیں

بیت

چوں وصل درنگنجد ہجراں چہ کار دارد		معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا
یار در دل چو مقیم است چہ ہجراں چہ وصال		طالب وصل شدن غایت کوتہ نظریست

پر انیہ مقرر ہوا کہ جیسے اپنے عین کو نہیں دیکھ سکتی پس ہر جیسے اپنے عین سے بے خبر ہے اگر خبردار ہو غیریت لازم آتی ہے۔ کیونکہ خود غیر غیر گیرندہ ہے اور نیز یہ خبر وہ شخص ہے کہ اس سے خبر لاتا ہے۔

رباعی

در عشق تو بے جسم همی باید زیست		چشمم ہمہ اشک گشت و چشمم نگریست
چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست		از من اثری نماند این عشق از چیست

انسان اپنے مونہہ کو بلا آئینہ کے نہیں دیکھ سکتا ہے جیسا کہ کہا گیا اَلْمُؤمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤمِنِ مومن آئینہ مومن کا ہے۔ یہی بات ہے کہ مومن اپنی نہیں دیکھ سکتا مگر بواسطہ مومن دیگر کے۔ اور اپنی قدر کو نہیں جان سکتا جب تک کہ اپنی سے زیادہ کسی بزرگ

وقت یہی ہے - پس جاننا چاہیئے کہ احمق لوگ اپنے تئین غیر دیکھتے ہیں جیسا کہ کہا گیا -

مثنوی

ہمچون آن ابلہ کہ تاب آفتاب
دید بر دیوار و حیران شد شتاب

عاشق دیوار شد کہ این ضیاست
بیخبر کان عکس خورشید سماست

چون باصل خویش پیوست آن ضیا
وید دیوارے سیہ ماندہ بجا

ہمچون صیادے کہ گیرد سایۂ
سایۂ کے گردد ورا سرمایۂ

سایۂ مرغے گرفتہ چیرو سخت
مرغ حیران گشت بر شاخ درخت

کاین مرقعہ ہر کہ می خندد عجب
اینست باطل اینست پوشد عجب

گر تو گوی جزو پیوستہ گل ست
خار بیخور نفار پیوستہ گل ست

مقصود ان تمام تمثیلات سے یہ ہی کہ معلوم ہو جاوے کہ سوائے حق کے موجود نہین جو کچہ ہے وہ حق ہے -

بیت

کثرت چو نیک در نگری عین وحدت است
ما را شکے نماند ترا گر درین شک ست

نہ تغیر ہے نہ تبدیل نہ آخر ہے نہ اول نہ ظاہر ہے نہ باطن تمام ایک چیز ہے - اور اس ایک چیز مین سے اضافت اور اسماء ساقط ہے پس نہ آسمان ہے نہ زمین نہ مکان ہے نہ مکین نہ نور ہے نہ ظلمت نہ اندوہ ہے نہ کلفت نہ رنج ہے نہ راحت نہ سیاہ ہے نہ سفید نہ خوف ہے نہ امید نہ گھر نہ بازار نہ یار ہے نہ اغیار نہ دنیا ہے نہ آخرت نہ ذلت ہے نہ عزت نہ فقر ہے نہ غنا نہ صحت ہے نہ عنا نہ دوزخ ہے نہ بہشت نہ سبک ہے نہ حیست نہ حور ہے نہ غلمان نہ قصور ہے نہ رضوان نہ طوبی ہے نہ سلسل نہ کوثر ہے نہ انمل نہ خیر

نہ ملایک نہ شیطان ہے نہ مالک نہ رحمت ہے نہ عذاب نہ صواب
نہ عقاب نہ صراط ہے نہ میزان نہ رقوم ہے نہ میزان نہ عسل ہے نہ تند
نہ صیاد ہے نہ صید نہ مرغ ہے نہ دانہ نہ جنگل ہے نہ خانہ نہ معمورہ ہے
نہ ویرانہ نہ آگ ہے نہ کباب نہ طعام ہے نہ شراب نہ شاہ ہے
نہ فقیر نہ آزاد ہے نہ اسیر نہ مردہ ہے نہ زندہ نہ خواجہ نہ بندہ نہ
سیارہ ہے نہ بخت نہ سلطان ہے نہ تخت ہر آئینہ جو کچھ تعین ولعدد
وتکثر ہے کچھ نہیں ہے۔ سب کا وجود وہی ہے نہ حقیقے وجود حقیقی
بجز حق کے کسیکو نہین ہے۔ اس اعتبار سے کہ سب کو غیر خیال
کرو کچھ نہیں اور اس اعتبار سے کہ سکو حق جانو سب ہیں وہی
ایک حقیقت ہے کہ مختلف طور پر ظاہر ہوئی ہے اور بہت سی صورتیں
اختیار کرلی ہیں۔ باوجود کثرت ایک ہے اور باوجود یگانگی بہت
ہی جز دکل جو کچھ ہے سب وہی ہے۔ وجود غیر اعتباری ہے
اور یہی وجود تمام تعینات میں ساری ہیں۔
سوال چہارم جب کہ وجود ایک ہے اور سوائے حق کے کوئی
موجود نہیں تو پھر اسمیں کیا حکمت ہے کہ تمام آدمی اس راز کو
نہیں جانتے اگر یہی بات ہے تو چاہئے تہا کہ سب کو یہ معنی مکشوف
ہوتے کہ اشیا عین حق ہیں اور حق عین اشیا ہے۔ اور علم غیبت وعلم
دفتاہی اشیا کو لازم ہے اور صورت وحدت ہوئے وجود سکے مگر ایسا
نہین ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول دروغ ہے۔
جواب نہ جاننا اس بات کا کہ اشیا عین حق ہے اس سبب سے
ہے کہ حق عین اشیا ہے۔ کیونکہ جو چیز کہ ہے وہ ایسی عین وار کو

کے پاس نجاوے۔

اشعار

چونکہ مومن آئینۂ مومن بود
روی او ز آلودگی ایمن بود

لوح محفوظست پیشانی یار
می نماید سِرّ کونین آشکار

آن تقاضای دو چشم و دل شناس
تو همی جوید ضیاء بیقیاس

گر بہ بینم روی خود را این عجب
تا چه رنگم یا کدوم یا چو شب

نقش جان خویش می جستم بسے
هیچ می ننمود نقشم از کسے

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست
تا بداند ہر کسی کو چیست کیست

آئینہ این از برای نقشہاست
آئینہ سمای جان شکلی بہا است

آئینہ جان نیست الا روی یار
روی آن یار سے کہ شد در کوی یار

دیدہ تو چون دلم را دیدہ شد
این دل نادیدہ غرق دیدہ ہا شد

آئینہ کلی ترا دیدم ابد
دیدم اندر چشم تو من نقش خود

گفت وہم کان خیال تست ہان
ذات خود را از خیال خود بدان

نقش من از چشم تو او از داد
کہ منم تو۔ تو منی از اتحاد

در دو چشم غیر من تو نقش خود
گر بہ بینی آن خیال و آن برد

پس جاننا چاہیے کہ نہ دیکھنا اور نہ جاننا اشیا کا عین حق اس سبب سے ہے کہ تمام اشیا عین حق ہے اور کوئی چیز اپنی عینیت کو نہیں دیکھہ سکتی۔ کیونکہ جو شخص اپنے تئیں دیکھتا ہے ہرا ئینہ وہ اپنے تئیں نہیں دیکھتا۔ پس عین اپنی کو کما حقہ نہیں دیکھہ سکتا اور نہیں پہچان سکتا اور کیا عاجب ہے اوس

شئے کے پہچاننے کی وہ عین ہے کیونکہ پہچان اس چیز کے
لئے ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان مغایرت ہو۔ جب کہ
عینیت واقع ہے پہچان مرتفع ہوئی۔ اس اعتبار سے ہمارا جہل
میں علم ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ حق میں ہمارا ہے اور ہم عین
حق ہیں تو یہ بات کہاں سے کہی جاسکتی ہے کہ ایسا ہے۔ ہرا لیئے
کہا جاسکتا ہے کہ اگر اسکو اپنے سے خارج میں تلاش کرتے ہرگز
نہ پاتے اور اس کی معرفت سے عاجز ہوتے۔ کیونکہ جو چیز کہ ہمارے
اور اسکی درمیان میں مغایرت ہے البتہ اس کو کوشش اور
توجہ سے پہچان سکتے ہیں پس مان لیا ہم نے کہ وہ عین ہمارا
ہے کیونکہ اپنے میں کو نہیں پہچان سکتے اور کسی وجہ سے نہیں دیکھ
سکتے کہ محال ہے۔ اور کیا حاجت ہے ایسی شئے کے دیکھنے
کی کہ عین ہماری ہے۔ اور خدا کو اشیا کے ساتھ معیت
ذاتی حاصل ہے نہ کہ علمی جیسا کہ کہا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ
فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۝ وَہُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ۝ اَللّٰہُ
نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا
تُبْصِرُوْنَ ۝ یعنی میں تمہارے ساتھ تم سے زیادہ قریب ہوں
لیکن تم مجھکو نہیں دیکھتے ہو۔ پس معیت ہمارے ساتھ کس
طرح ہے۔ کہ ہم نے غایت قرب سے اپنے تئیں گم کردیا ہے۔
پس ہم اس چیز کو کہ ہم سے زیادہ ہمارے ساتھ نزدیک ہے
کس طرح پاویں اور ولکن لا تبصرون اس وجہ سے ہے
کہ عینیت اس کی ہمارے ساتھ ہم سے بھی زیادہ پائی جاتی

ہر آئینہ ہم نہین ہین سب وہ ہی ہے۔ اور نام ہم کا صرف تفہیم کے واسطے ہے ورنہ کیا حاجت کہ ہم درمیان مین آوے۔ اگر ہم وہ ہین۔ وہ ہم ہے۔

مثنوی

تو ئی و من ہم تو ام ای محتشم	بو علی بودے علی را چون کشم
بس کنم چون این سخن افزوان شود	خود جگر بہ بود کہ خارا خون شود

پس جاننا چاہیئے کہ معیت ہر چیز کی اوس کے جنس کے ساتھہ نہین ہوتی ہے۔ اور حق نے اپنے کلام مین معیت ذاتی اشیاء کے ساتھہ بیان فرمائی ہے ہر آئینہ خلق و حق ایک ہوئے اگر خلق عین خالق نہوتی تو حق کو خلق کے ساتھہ معیت ذاتی نہوتی۔ اس کو عقل تسلیم نہین کرتی ہے کہ معیت حق کے ساتھہ ہو کوئی چیز اپنے غیر جنس کے ساتھہ نزدیک نہین ہوتی

مثنوی

آئینہ دل چون شود صافی و پاک	نقشہا بینی برون از آب خاک
ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را	فرش دولت را و ہم فراش را
چون خلیل آمد خیال یار من	صورتش بت معنی او بت شکن
ان جمیل ست و یحب الجمال	کے جوانی نو گزیند بیر زال
خوب خوبی را کند جذب این بدان	طیبات طیبین رو می بخوان
در جہان ہر چیز چیزی جذب کرد	گرم گرمی را کشید و سرد سرد

قسم باطل باطلان را می کنند ‖ تا عیاں از باطلی سر خوشند
نوریاں مر نوریاں را طالب اند ‖ ناریاں مر ناریاں را جاذبند

جب اس جگہہ یہ بات مقرر ہوئی کہ تمام اشیا حق سوا اسکے نہیں
پہچان سکتے کہ عین حق ہیں اور کوئی چیز عین اپنے کو کماحقہ نہیں
پہچان سکتے۔ ہر آئینہ اس جگہہ ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے
اور وہ یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہیں کہ خدا کو پہچانتے ہیں تو اس
سے لازم آتا ہے کہ غیر حق ہیں۔ جواب اس کا نہایت سخت
ودقیق ہے کہ یہاں پر عقل بھی حیراں ہے لیکن چونکہ ضروری
ہے لہذا کہا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جو شخص کہ اسکو پہچانتا ہے
غیر اُس کا ہے اور نہ اسکو پہچانتا ہے بلکہ میں اس کا ہے پس
وہ اپنے تئیں آپ پہچانتا ہے مگر وہ شخص کہ سالک ہے اور
عارف ہے وہ بھی عین اپنے کو کہ حق ہے نہیں پہچان
سکتا۔ کہ حق ہے کیونکہ اگر دیکھتا ہے تو ہر آئینہ غیریت لازم
آتی ہے۔ جب کہ دیکھنا بھی اٹھگیا تو اسوقت عین اپنے
کو دیکھا بلکہ نہ دیکھا کیونکہ دیکھنا عین اپنے کا محال ہے اور
جب کہ عین اپنے آپ ہی تو کیا حاجت دیکھنے کی ہے۔ پس
جس نے کہ دیکھا نہ دیکھا اور جسنے نہ دیکھا اوس نے دیکھا۔
اسلئے کہ جب کہ دیکھا کہ خود لاشی ہوگیا اور جب کہ لاشئے دیکھا
اس کا اغیار نہیں ہے۔ کیونکہ کلام اس میں تھا کہ کوئی چیز
اپنے عین کو نہیں دیکھ سکتی۔ جاننا چاہئے کہ یہ بات بہت
دقیق ہے اور بیاں سے ادا ہونا محال ہے اس کی عبارت

کوتاہ اور معنی دراز ہین ورنہ زیادہ بیان کیا جاتا۔

نظم

نہ اشارت مگر توان دانست
کہ بفہمد کسے بگفت این راز
این سخن را زبان نمی داند
جان آگہ ز نغمہ این ساز
این سخن را تو گر شوی محرم
ہر کجا بشنوی این آواز
کہ ہمہ ہر چہ ہست دوست ببین
دوست را بے حجاب پوست ببین

پس جاننا چاہیے کہ جب تک دیکھنا درمیان مین ہے ہنوز شرکت باقی ہے اور جب تک پہچانتا ہے کچھہ غیریت باقی ہے۔ یہی وجہہ ہے کہ تعینات کو غیر وجود کہتے ہین اور وجود وحدت کو منشاء الکثرت بھی کہتے ہین۔ کسو اسطے واحدت بواسطہ کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ ۵ کے ہے۔ جاننا چاہیئے کہ وجود عینی کہ عینیت حق ہے کنج خفا مین محو تہا۔ یعنی جب تک عین تہا خدا نہین ہوسکتا تہا پس اپنی طرف خلقت کی محبت کی تاکہ پہچانا جاوے۔ یعنی جب کہ ارادہ پہچان نے کا ظاہر ہوا یہی ارادہ وجود غیر ہوا۔ اور اسکے غیر ہونے کی وجہہ اعتباری ہے مگر جب کہ انسان مرتبہ توحید مین کمال غیریت تک پہونچ جاتا ہے اس غیریت اعتباری کو بہی نہین دیکھتا ہے اگر پہچاننے کو اور دیکھنے کو برطرف کرے تو اس وقت عینیت وجود کی نظر آوے۔ کیونکہ دیکھنا خالی علت سے نہین ہے۔

مثنوی

بار دریا نم در ما ہم زماست	این سخن داند کسے کو آشناست
تشنہ از دریا جدائی می کنی	بر سر گنج گدائے می کنی
اے ہمہ دریا چہ خواہی کرد نم	اے ہمہ ہستی چہ می خواہی عدم
ہیچ محتاج می گلگون نۂ	ترک کن گلگونہ تو گلگونۂ
ای مہ تابان چہ خواہی کرد گرد	ای مہ زیبا رویت روی زرد

اور مشائخ نے فرمایا کہ محب محبوب ہوتے ہیں اپنے محبوب سے بواسطہ محبت کے کیونکہ محبت ایک واسطہ ہے درمیان محب اور محبوب کے۔ اور واسطہ حجاب اور سد راہ ہے اور در طلب روا ہے

رباعی

مشتاق میان بود نمیدانستم	ما پس بیان بود نمیدانستم
گفتم لطلب مگر بجائے کہ رسم	خود اقرقہ آن بود نمیدانستم
رورت تو بودم و نمیدانستم	شب با تو غنودم و نمیدانستم
دانستہ بودم بخود کہ من بودم	من جملہ تو بودم و ہمی دانستم

پس جاننا چاہئے کہ یہ سبب غیبت کے ہے کہ کوئی شی معلم غیبت اور علم غیب کو نہیں جانتے اور تمام اشیا کو علم قضا نہیں اسی واسطے نہیں ہے کیونکہ قضا ایسا امر ہے کہ اس کا تعلق استقبال کے ساتھ ہے۔ پس کوئی شخص مستقبل کو

حال مین نہین جان سکتا ہے اگر حال مین مستقبل کو جانے
ہر آئینہ اس حال کو بھی مستقبل پاوے اور جب ایسا ہوا ایس
مستقبل نہوا بلکہ حال ہوا۔ پس اسی سے نفی حال کی یا استقبال
کی لازم آتی ہے ورنہ محال ہے کہ استقبال کو حال مین لاوے۔
اور حال مثل نقطہ وحدت کے ہے اس مین ہرگز دوی نہین
سماتی ہے۔ جب وہ نہین ہوئے تو امروز فردا نہوی۔ اور جبکہ
فردا محو ہو تو قضا بھی محو ہوی۔ کیونکہ اگر کسی کو علم فردا کا ہووے
تو وہ نہ علم فردا کا ہے بلکہ علم امروز کا ہوا۔ کیونکہ امروز گذرنے
والا ہے اور جب امروز گذر جاوے گا تو روز دیگر البتہ
حال امروز کا نہوگا بلکہ حال فردا کا ہوگا۔ محال ہے کہ کوی
فردا سے آگاہ ہووے کیونکہ اگر آگاہ ہووے وہ فردا امروز ہووے
پس جاننا چاہئے کہ مقتضاے حکمت اس وجود کا یہ ہے کہ کوئی
قضا سے آگاہ نہووے۔ کیونکہ اگر آگاہی ہوتی ہو تو تمام عالم خراب
ہو جاتا۔ اور وجود برہم ہو جاتا۔ اور کوئی کام عالم مین واقع
نہوتا۔ مثلاً اگر کوئی واقف ہوتا کہ میرا مال چور لے جاوے گا
تو وہ اسکے درپے ہوتا کہ قضا کو پھیر دے اور یہ محال ہے کیونکہ
تمام مین یہ خلل واقع ہوتا اور وجود معطل رہتا۔

مثنوی

ہیچ فرعونے که موسیٰ اشته بود	طفلکان خلق را سرمی ربود
آن عدو در خانه آن کوردل	بے عدد نوش بیگناہان بدل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مرگ علیؓ کا اسکے غلام کے ہاتھ سے ہے۔ غلام نے جسوقت یہ بات سنی حضرت میں آکر عرض کی کہ میرا ایسا خون آپکو حلال کیا میں نہیں چاہتا ہوں کہ خون آپکا میرے اوپر ہو اسلئے آپ مجھکو مار ڈالیں۔ مرتضیٰؓ نے کہا اے غلام جب مجھے اس بات کی آگاہی ہوگئی کہ قضا اوپر میرے واقع ہوئی تو میں تجھکو نہیں مار سکتا یہ بات محال ہے کہ میں زندہ رہوں اور تو مر جاوے جیسا کہ مولانا نے مثنوی میں فرمایا ہے

مثنوی

گفت پیغمبر بگوش چاکرم ۔۔۔ کو برد روزی ز گردن این سرم

کرد آگہ آن رسول از وحی دوست ۔۔۔ کہ ہلاکم عاقبت از دست اوست

او ہمی گوید بکش پیشین مرا ۔۔۔ تا نیاید از من این منکر خطا

من ہمی گویم کہ مرگ من ز تست ۔۔۔ با قضا من چون توانم حیلہ جست

او ہمی افتد بپیشم کہ کریم ۔۔۔ مر مرا کن از برای حق دو نیم

تا نیاید بر من این انجام بد ۔۔۔ تا نسوزد جان من بر جان خود

ہیچ بغضی نیست در جانم ز تو ۔۔۔ زانکہ این را من نمیدانم ز تو

گفت دشمن را ہمی بینم بچشم ۔۔۔ روز و شب بر وی ندارم ہیچ خشم

زانکہ مرگم ہمچو جان خوشتر ست ۔۔۔ مرگ من در بعث چنگ اندر زدست

بار آمد کای علی زودم بکش ۔۔۔ تا نبینم آن دم الوقت ترش

من حلالت میکنم خونم بریز ۔۔۔ تا نبیند چشم من آن رستخیز

پس یہ محال ہے کہ تمام آدمی سر قضا سے آگاہ ہو جاوین اور راضی
بقضا ہو کر کچھ اختیار نکرین اور مثل پتھر کے اپنے تئین مجبور کرین
اور کوئی کام نکرین جو کچھ کہ قضا چاہے کرین - ہر آئینہ یہ آگاہی
اس بے خبری کے برابر ہے کیونکہ جو واقعہ کہ شدنی ہے وہ ضرور
ہو کے رہیگا نہ یہ کہ جب کوئی آگاہ ہو جاوے اس پر نگذرے
اور اوسکی خواہش کے موافق رد ہو جاوے یہ محال ہے پس
جب کہ رد نہوگا تو جاننے سے کیا حاصل بلکہ جاننے سے کام مین
تعطل لازم آتا ہے - پس حکمت اسی مین ہے کہ کوئی آگاہ نہووے
ثمرہ وجود معطل بلکہ عدم ہوتا ہے - بالفرض اگر ایسا ہو - لیس تمام
آدمی حق کو آشکارا دیکھین اور کوئی حجاب وپردہ درمیان
مین نہووے - کس واسطے کہ اگر تمام آدمی خدا کو آشکارا
نہ دیکھین پھر تعطل وجود لازم آتا ہے - کیونکہ حقیقت وجود یہ ہے
کہ تمام اشیا عین حق ہین اور باطن وظاہر ایک ہے وجود اس
متخص کا خدا ہے ہر آئینہ آپ جانتے سے انتظام عالم خراب
ہو جاتا - کیونکہ مدار وجود کا اسپر ہے کہ ایک ہو - اور ہزار دکھا
وے اور ہزار ہو اور ایک دکھائی دے ہر آئینہ جب کہ حقیقت مکشوف
ہوئی جانا گیا کہ وجود حق کو ہے اور تعینات کا وجود اعتباری
ہے - اگر تمام آدمی اس بات سے آگاہ ہوتے وجود کے انتظام
کا سلسلہ درہم وبرہم ہو جاتا - پس حکمت اسی مین ہے کہ کوئی
اپنی حقیقت سے آگاہ نہووے - قضا عبارت ہے اس احوال
سے کہ عالم قوہ مین ہے - اگر تمام احوال اسی وقت فعل مین

آوین سر آئینہ عالم قوہ سر ہے ۔ اور جب کہ عالم قوہ سر ہے تو عالم
فعل بھی سر ہیگا ۔ کیونکہ دونوں کا مدار ایکدمسے پر ہے ۔ پس
محال ہے کہ کوئی قضا سے اگاہ ہووے ۔ اور وہ عالم غیب ہووے
رغیب بلکہ شہادت ہووے ۔ پس غیب مراد عدم سے ہے
اور اگر بطریہ حقیقت کیما ہے تو کیا ورد اکیا امر و نہ کہا پر پردہ یہ
سب عبارت ہے نہ حقیقت کیونکہ جس وقت سے کہ وجود کی
صبح طلوع ہوئی ہے دل میں ہوا ہے وہی ایک صبح ہے کہ موجود
ہے ۔ اور یہ وجود ہمارا دریا کے ہے کہ رواں ہے اور نہایت نہیں
رکھتا ہے اور اول و آخر بھی نہیں رکھتا ہے ۔ پس کیا پانی اس
دریا کا جتنا کہ جو استادہ ہے تمام دریا کے پانی کے ساتھ ایک
ہے اور کیا یہ پانی کہ اب سامنے بہہ رہا ہے اور اس پانی کے ساتھ
کہ اس سے چند فرسنگ پیچھے ہے ایک جگہ گذر رہا ہے پس آئینہ محال
ہے کہ ایسا ہووے کیونکہ اس پانی میں اور اس میں شک واقع
ہے کہ وہ پانی اس پانی میں ہے کیونکہ اس پانی سے اس پانی
تک بہت فرق ہے کیونکہ دونوں پانیوں میں بہت سا پانی
ہے پس ممکن نہیں ہے کہ دونوں ایک ہو جاویں اس سبب
سے کہ تمام پانی ہے اور فی الحقیقت کوئی حصہ اس پانی کا اس
پانی کے غیر نہیں ہے ۔ لازم ہے کہ اسی وقت پر یہ بھی گذرے
اور وہ بھی ۔ پس محال ہے کہ تعبیر از حوالی ہنگام تیری
ملیں گذرتے اتے حالت طفلی میں ۔ کیونکہ اگر عقل ہر وسدان
کی سی ہوتی کوئی کوڈک نہ کہتا لیکن حالت طفلی میں

حالت جوانی سے محال ہے کہ کوئی آگاہ ہووے اور اگر حالت جوانی مین حالت پیری سے آگاہی ہوتی تو پیر کہلاتا نہ جوان اور یہ تمام تینون حالت مین نہ رکھیے۔ جب تمام احوال تجھہ پر گذرنیوالا ہے ایک بلا دوسرے کے نہین پہونچیگا ہے۔ محال ہے کہ سب ایک جگہہ پہونچے۔ جیسا کہ اس معنی مین کہا گیا ہے۔

مثنوی

گفت آدم با بلیسے کو شقی ست
خویش بینی گرچہ آمد خود گزین
بانگ زد از غیرت حق کای صفی
پوستین را باز گونہ گر کند
پردۂ صد آدم آنکہ پر دَرَد
گفت آدم توبہ کردم زین نظر
با غیاث المستغیثین اغثنا
ریخت ما مر رخت ما را راہ زن
دست ما چون پای ما را میگزد

از حقارت در رفاقت منکریست
خندہ زد بر کار ابلیس لعین
تو نمیدانی ز اسرار خفی
کہ درا از بیخ واز بن برکند
صد بلیس تو مسلمان آورد
این چنین گستاخ نہ اندیشم دگر
لا افتخار بالعلوم و بالغنا
جسم ما مر جسم ما را راہ زن
بے امان تو کسے چون جان برد

سخن دراز ہوا اور مطلب سے دور ہو گیا لہذا باز آمدم بر سر مطلب کہ اشیاء عین حق ہین اس وجہہ سے نہین پہچانی جاتی اور بواسطہ اس کے کہ تمام اشیا عین قضا ہین اور بجز قضا کچھہ موجود نہین ہے قضا سے بہی اگاہی نہین ہے۔

مقصود اس تمام عبارت سے یہ ہے کہ جاننا چاہئے کہ وجود بحد و نہایت ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے اور تمام اشیا میں حقیقت ایکدوسرے کی ہیں - اور ہر نقصان مین ہزار کمال اور ہر کمال مین ہزار نقصان ہین -

مثنوی

پس زیاد تہا درون نقصان ہاست ۔ مرشہیداں را حیات اندر فناست

نقصہا آئینہ وصف کمال ۔ ہست الو رحان ثبوت ل ہزلال

در بشت تاریک لس نیکی بود ۔ آب حیواں جہت تاریکی بود

اور کسی نے اس وجودکے ذروں کو شمار نہیں کیا ہے کہ کتنے ہیں چنانچہ درختوں کے پتے جنگل کی ریت مینہہ کے قطرے اور آسمان کے ستارے اور عدد نفوس مخلوقات وعلی ہذا القیاس محال ہے کہ کسی انسان کے علم میں یہ سب ہوں اور تمکو معلوم ہے کہ کس سبب سے معلوم نہیں ہے - سرائکا جاننا چاہئے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ تمام احوال ایک حال مین محال ہیں - کیونکہ اگر ایسا ہو تو کوئی حال میسر ہو - اسی طرح سے پتے درختوں کے ایک جگہہ ہیں اور سب پتے ایکدرخت کے ہیں اس سبب سے شمار آن کا محال ہے - اسی طرح سے تمام ریت اور تمام قطرہ بارش کے کہ ایک جگہہ اور گرتے ہیں اور ایکدم نظر میں آتے ہیں پس محال ہے کہ علم ان چیزوں کا پیدا ہو سکے - کیونکہ سب جبر ہین - اور اگر یہ

وجود یکرنگ ہوتا۔ کوئی جز نہ پہچانا جاتا اور یہی سبب ہے کہ جو کوئی کلیتا خواستگار وجود کی یگانگی کا ہوتا ہے وہ ذات بحت کو دیکھتا ہے اور اضافت معرفت کی اٹھہ جاتی ہے اور کوئی اضافت نہین رہتی ہے بواسطہ یگانگی کے۔ پس جاننا چاہیے کہ یہی سبب ہے کہ ریگ بیابان و قطرات باران اور برگ درختون کے کوئی نہین شمار کر سکتا کیونکہ ان تمام کی یگانگی ظاہر ہے۔ اور تمام وجود اسی واسطی نہین پہچان سکتے کہ سب ایک جز ہے۔ اور ہر جز عین تمام جز ہے۔ جاننا چاہیے کہ کمال دانش اس وجود مین یہی ہے کہ اس وجود کو جیساکہ ہے نہین پہچان سکتے۔ کیونکہ اگر اچھی طرح سے دیکھا جاوے سب ایک حقیقت ہے اور ایک حقیقت مین اصلا معرفت نہین ہوتی کیونکہ معرفت دوئی کو چاہتی ہے۔ اور جب کہ دو جز نہین تو ہر آئینہ معرفت سے عجز ہے جاننا چاہیے کہ یہ کلام تمام ہوا اور اس سے زیادہ معرفت متصور نہین مصرعہ

قلم اینجا رسید و سر بشکست

مثنوی

بس کنم گر این سخن افزون شود	خود جگر چہ بود کہ خارا خون شود
بس کنم چون زیر کان این بس است	بانگ دو کردم اگر در دہ کس است
بس کنم چون دلبر آمد در خطاب	گوش کن واللہ اعلم بالصواب

اصل تیسری

عقبیٰ کی حقیقت اور اس کے سوالات کی تردید اور اثبات
وحدت وجود اور نفی اثنینیت[1] میں + جاننا چاہیے کہ دنیا
حال ہے اور عقبیٰ استقبال ہے اور خدا جامع ہے ان
دونوں احوال کا۔ یعنی وجود دنیا اور عقبیٰ کا حق ہے اور
سوائے حق کے کوئی موجود نہیں اور تمام اشیا حق ہے اور
دنیا و آخرت دونوں امر اعتباری ہیں اور خاص کر مصلحت
وجود کے لئے ہیں اگر دیدہ اعتبار سے دیکھا جاوے عقبیٰ عین
دنیا ہے اور دنیا عین حق ہے نہ دنیا کا وجود ہے نہ عقبیٰ کا
کیونکہ دنیا ماضی ہے عقبیٰ استقبال ہے اور وجود حق حال
ہے۔ پس اہل تحقیق کے نزدیک وجود حال کے لئے ہے
کیونکہ ماضی گذر گیا اور استقبال ہے نہیں وجود حال امر
اعتباری ہے۔

بیت

چو ماضی نیست مستقبل مہ و سال | چہ باشد غیر ازیں یک نقطہ حال

پس جاننا چاہیے کہ نقطہ جب گردش کرتا ہے دائرہ معلوم
ہوتا ہے۔ جیسا کہ نقطہ آتش کی سیر دائرہ آتشیں دکھلائی
دیتی ہے۔ درحقیقت وجود وہی نقطہ ہے نہ دائرہ بلکہ دائرہ
نمود نقطہ ہے وجود خارجی نہیں رکھتا ہے۔ اسیطرح سے حال
کی گردش سے اپنی ذات میں ماضی و مستقبل دکھلائی دیتے
ہیں۔ یعنی وجود واحد کی سیر سے کہ ذات حق اور نقطہ وحدت میں

نمود دنیا اور عقبیٰ کی نظر آتی ہے - اور حقیقت مین موجود نہین
ہین - اور وجود خاص کر نقطہ وحدت کے لئے ہے اور وجود
اس دایرہ کا بجز نقطہ کے نہین ہے لیکن نظر مین ایسا ہی
دکہلائی دیتا ہے - پس جاننا چاہیے کہ سوائے حق کے دنیا اور
عقبیٰ نہین ہے اور جو کچہہ ہے وجود حق کا ہے اور یہ تمام نام
حق کے ہین - کہ اپنے اوپر رکہہ لئے ہین اور کثرت مین ظاہر
ہوا ہے - جہان نام ہے اس کا نام ہے اور جہان کوئی ذات
ہے اس کی ذات ہے مگر یہان چند سوال واقع ہوئی ہین
ودمعہ جواب کے لکہے جاتے ہین -
سوال پہلا - جب کہ حق عین اشیا ہے پس وجود پیغمبرون
کا کیا ہے اور شرع کسواسطے ہے اور نبیون نے دعوت خلق
کسلئے کی کیونکہ جب سب حق ہین تو دعوت کی کیا حاجت کیونکہ
دعوت بجز غیریت درست نہین - اور جب کہ تمام حق ہے تو
اس کی حاجت نہتہی کہ اپنی طرف خلق کو رجوع کرے -
جواب پہلا جاننا چاہیے کہ انبیا و رسل کا وجود محض حکمت ہے
اگر وے نہوتے تو تمام آدمی ناقص رہتے - پس انکی دعوت
بر حق و درست ہے اور انکا وجود برزخ ہے درمیان وجوب
اور امکان کے اور درمیان وجود اور عدم کے اور درمیان احد اور احمد
کے یعنی واسطہ ہے درمیان بندہ کے اور خدا کے کہ انمین دونون صفت پائی
جاتی ہین کہ احدیت سے فیض حاصل کرتے ہین اور احادیت مین پہونچاتے
ہین اگر اون کا وجود نہووے تو احدیت اور واحدیت

فرق اوٹھہ جاوے دونوں ایک ہوجاوین ہرآئینہ خلق جدا کو ظاہر دیکھہ لیوے بلکہ خلق نہووے اور جدا ہووے اگرچہ اب بھی ایسا ہی ہے - پس اگر وے ہووین تو احدیت اور واحدیت میں سے فرق اوٹھہ جاوے اور تمام حق سے محجوب ہوجاوین اور وجود من لعطل لازم آوے پس حقیقت مین اونکا وجود کہ بمرتبہ وحدت ہے دونوں طرف تصرف کرتا ہے اور دونوں طرف متحرک ہے ہرآئینہ اگر یہ ہوں تو تمام وجود یعنی احدیت اور واحدیت دونوں معدوم ہوجاویں -

اشعار

سدگاں آور دیر داں جہاں	درمیاں وستاں سرح لایبغیاں
اہل بار واہل نور ایمجہ	درمیاں ستاں کوہ قاف انگیختہ
ہمچو درکاں خاک دریر اختلاط	درمیاں ستاں ہمدیابان رباط
ہمچیاں یک عقد دروی داشتہ	مختلط چوں ہماں یک تشتہ
کیں یکے راست شیریں چوں شکر	طعم شیریں رنگ روشن چوں قمر
ہیم دیگر تلخ ہمچوں زہر مار	طعم تلخ ورنگ مظلم قیروار
ہردو با ہم میپر ندار تحت واوج	ہرستاں آب دریا موج موج
صورت برہم زدن از حشیم تنگ	اختلاط جاں ہادر صلح وجنگ
کیسہ ہا لاشئہ بائیر سکند	موجہائے فضل برہم میپرند
موجہائے جنگ برشکل دگر	مہرہا را می کسد زیرودیر

اور اس وجود میں فرق ڈالنے والا یہی برزخ ہے - کیونکہ اگر

برزخ نہو تو کچھہ فرق نہو اور یہ فرق ڈالنا محض حکمت ہی لیے حکمت نہیں ہے

مثنوی

حق فرستاد انبیا را بہر این | تا جدا گردد از ایشان کفر و دین
حق فرستاد انبیا را با ورق | تا گزینید دانہ ہا را در طبق
پیش ز ایشان جملہ یکسان مینمود | مومن و کافر و مسلمان و جہود
پیش ز ایشان ما ہمہ یکسان بدیم | کس ندانستی کہ ما نیک و بدیم
گر بہ و صلش دارسیدی نیز فضول | کے فرستادی جدا چندین رسول

تحقیق نر ہے کہ مبداء تمام تعینات کا لاتعین ہے - یعنی قبل از تعینات یہ وجود لاتعین تہا - لاتعین عبارت بیرنگی اور بے کیفی سے ہے اس کو ذات بحت - و ساذج و وجود مطلق و منقطع الاشارت و منقطع الوجدان اور ذات بلا اعتبار کہتے ہین - اور یہ وجود ازل الازل سے ابد الاباد تک تہا اور ہی اور ہوگا - مگر اس وجود کے لئے ہر دم ایک شان و تعین دیگر ہے - کبہی لاتعین ہے اور کبہی اس مین تعین پایا جاتا ہے - یہ نہین ہے کہ لاتعین جز دیگر ہو بلکہ ایک ہی وجود ہے کہ کبہی ایسا ہوتا ہے اور کبہی ویسا - پس جاننا چاہئے کہ تعینات سے پہلے یہ وجود لاتعین تہا - یعنی ایک ہی تعین پر تہا اور اس مین تعین دیگر نہ پایا جاتا تہا اور ایسا تہا کہ دائین بائین اوپر نیچے آگے پیچھے کچھہ نر کہتا تہا - جو کچھہ تہا وہی ایک تعین تہا - مگر اس مین لاتعین قابلیت اسکی

تھی کہ تعینات اور صورتیں اسمار کے ساتھ متصور ہوویں۔
پس وہ قابلیت عبارت ارادہ اور علم اوس کے سے ہے
جب اس میں ارادت و قابلیت تھی تعینات اسمار کے ساتھ
متعین ہوا۔ چونکہ اس کی قابلیت یعنی ارادہ تھے اس بات
پر نظر کہا کہ وہ لاتعین ہے رہے۔ اور اسی مقام کے لئے حکما
نے فرمایا ہے کہ خدا پر واجب ہے کہ خلقت کو پیدا کرے
اور محال ہے کہ خدا بے خلق کے ہووے۔ پس اگر وہ قابلیت
قوہ سے فعل میں نہ آتی تو اس وجود کو نقصان لازم
آتا۔ پس لاتعین کا کمال یہ تھا کہ متعین ہووے۔ تعینات
اسمار کے ساتھ۔ جیسا کہ کہا کہ میں گنج پوشیدہ تھا میں نے
چاہا کہ پہچانا جاؤں پس پیدا کیا میں نے خلقت کو۔ اور
یہ بھی کہا ہے کہ ہر روز اس کی ایک شان ہے۔ پس
خاصیت اس لتعین کی یہی ہے ہر روز ایک شان
میں ہو۔ اور اسوقت سے کہ تعینات اسمار میں ظاہر ہوا
ہے ہر آئینہ ہر ایک شان ہے اور وہ ایک رنگ ہے یعنی
کالا نی اور سرخی۔ جاننا چاہئے کہ اس لاتعین نے جب تعین
اختیار کیا تو وہ تعین اول حقیقت محمدی ہے اور اسیکو
روح اول و عقل اول و مولائے اول و عقل کل کہتے
ہیں۔ پھر وہ ایک تعین دو تعین کے ساتھ متعین ہوا۔
اور ایک تعین اسی رنگ و حالت پر لاتعین رہا اور دوسرے
تعین نے جو کچھ قابلیت تعینات کی اس میں تھی سب اپنے

ظاہر کردے - پس اس کا نام تعین اول اور اُس کا
باین اعتبار لاتعین نام ہوا - پس یہ دو تعین عبارت مرتبہ
احدیت اور واحدیت سے ہین - تعین اول کو احدیت اور ثانی
کو واحدیت کہتے ہین - یعنی جب کہ لاتعین دو تعین ہوگیا کہ
تعین اول اور لاتعین - پس وہ لاتعین تعین اول مین آیا
اور قوت کی اور جب کہ حرکت کی صورت افلاک اور عقول
ونفوس کی ظاہر ہوئی - زمین اور عناصر اور دیگر موالید ثلثہ
پیدا ہوئے - اول لاتعین کی قوت بصورت اسمان و
عناصر موالید ثلثہ ہوگئی - اور ثانی قوت لاتعین دخالقیت
ان صورتون مین کہ پیدا کی - ہی پس افلاک کی گردش
سے عناصر خمیر کئے اور موالید ثلثہ پیدا ہوئے اور موالید
کی تغیر وتبدل اور آسمانونکی گردش اور ستارون کی سے انسان
پیدا ہوا پس سب کا خلاصہ انسان ہوا جو قوت بدیع تھی
انسان مین آئی ابداز ان انسان نے خلق کرنا پکڑا چیزون
کو کہ بہت سی اشیا مخلوق انسان سے ہے حاجت بیان
کی نہین اظہر من الشمس ہین - جب انسان نے اپنی مین
گردش پائی اور کمال پر پہونچا بمرتبہ نبوت فایز ہوا
اور جب انبیا کمال پر پہونچے رسول ہوسے اور جب
رسول کمال پر پہونچے اولوالامر ہوئے اور جب اولی الامر
کمال پر پہونچے خاتم الرسل ہوئے پس وہ قوت لقیقتا
ان تمام مراتب کے ساتھ تمام ہوئے اور خاتم الرسل

میں بھی اگرچہ وہی حقیقت تھی کہ اصورت تمام ظاہر ہوئی
اول بھی وہی تھی اور آخر بھی وہی تھی ۔ پس پیر اس وقت
عروج کیا کائنات الیقین اور حقیقت تعینات کو کما حقہ
دریافت کیا اور ماہیت لاتعین کو معلوم کرکے لاتعین تک
پہونچگیا ۔ اس حال کو اہل ظاہر معراج کہتے ہیں ۔ اور دو
عبارتوں کے ایک معنی ہیں ۔ جاننا چاہیئے کہ جب حقیقت
ایسی ہے تو جبریل بھی وہی ہے قرآن بھی وہی حق بھی
وہی اور امت بھی وہی ہے ۔ اگر یہ کہا جاوے کہ جب
حقیقت اسطرح ہے پس آدمیوں کی دعوت کس
واسطے کی کیونکہ جب سب عین تھے اور حقیقت اس
کی حقیقت حق کی تھی کیا ضرورت تھی کہ بت پرست اور
آفتاب پرست اور آتش پرست کو ان کی پرستش سے
منع کیا کہ اس سے باز آدیں اور خدا کی تعریف تنزیہ کے
ساتھ کی کہ اس کی عبادت کریں ۔ جاننا چاہیئے کہ جو
شے کہ موجود ہے وہ ایک جزہے اس کے وجود کے
اجزائین سے ۔ پس جب کہ تمام کو مقید بہ اجزا دیکھا
ہر آئینہ تمام کی دعوت کی کہ سب اس کو جانیں ۔ جاننا
چاہیئے کہ آگ اور آفتاب وغیرہ کو کیونکہ فی الحقیقت وجود
ایک ہے اور جو کچھ ہے وہ ایک جزہے اس وجود کے اجزا
مین سے ۔ ایک صورت ہے اس وجود کی صورتوں
میں سے ۔ چنانچہ آسمان ہے ایک صورت ہے اسکی

صورتون مین سے اور خاک و آتش و آفتاب اور بت
جو کچھہ ہے سب صورتین ہین اس کی صورتون مین سے
پس جب کہ لوگون نے تنہا بت کو خدا جانا اور کلی کہا
اسلیئے منع فرمایا - کہ اس کو نہ پوجین کہ وہ سب سے منزہ
ہے کیونکہ سب وہی ہے - اور جب سب وہی ہے تو منزہ
ہے صورتون سے - ایک صورت کو نہین کہہ سکتے کہ وہ
ہی کیونکہ اگر ایک کو کہا جاوے کہ وہ ہے تو لازم آتا ہے
کہ دوسرے اس کے بندہ ہین - اور یہان خود ایک
سے زیادہ نہین ہے جو کچھہ ہے وہ ہے - پس اسم جامع
کی دعوت کی اور کل کی طرف بلایا مثلاً آدمی کے تمام اجزا
یعنی ہاتھہ پیر سر گردن پشت شکم وچشم وگوش زبان و
دہان بینی وچشم وجان ان سکو ملا کر انسان کہینگے پس
اگر کوئی مصر ہووے کہ انسان کا ہاتھہ کلیۃ انسان ہے تو
شخص پر کہ جو اس حقیقت سے واقف ہو کہ یہ جز انسان
کا ہے واجب ہے کہ وہ اسکو آگاہ کرے کہ صرف ہاتھہ ہی
انسان نہین ہے بلکہ ایک جز ہے اور اجزاؤن مین سے -
کل انسان نہین ہے - ان تمام مجموعے اجزا کا نام وجود
انسان ہے پس اسی طرح سے جو شخص کہ اس وجود کے
کسی جز کو خدا کی طرح پرستش کرے اور کل کی حقیقت
سے غافل ہووے تو ان لوگون پر کہ جو اس کی سی واقف ہین اور کما حقہ اشیاء
کی ماہیت سے واقف ہین لازم ہے کہ اون کی دعوت کرین کل کی طرف اور

اور قسمت دیگر عرش سے ثریٰ تک ہے اور بصورت بسیار متلون ہے اور اس وجود کی کہ فوق و تحت ہے کوئی شکل و صورت نہین ہے سب ایک صورت ہین اور یہ قسمت ہے کہ عرش سے ثرے تک ہے اور بصورت بسیار ہے۔ اور یہ اس وجود کی۔ قسمت ہیں۔ کہ ان کو روح اور جسم بھی کہتے ہیں۔ اور اسکو جواہر و اعراض اور ملک اور ملکوت ظاہر و باطن نور و ظلمت بھی کہتے ہین اور ان دونوں میں سے ایک اپنے قدیم حال پر رہتا ہے اور دوسرا ایک سے دوسرے حال پر گردش کرتا رہتا ہے۔ ہر دم اپنی صورت بدلتا ہے اور بصورت دیگر ظاہر ہوتا ہے۔ جو کہ اپنی حال پر قایم ہے اسکو جوہر کہتے ہیں اور جو کہ ایک حال سے دوسری حال پر گردش کرتا ہے اس کو عرض کہتے ہیں۔ اور نور خاصکر جوہر کو کہتے ہیں اور اسکو روح بھی کہتے ہیں اور ظلمت جسم کو کہتے ہیں اور عرض بھی کہتے ہیں۔ عالم میں جو کچھ موجود ہے جوہر ہے یا عرض ہے یا یہ دونوں نہین ہے اور یہ دونوں کسی حال میں جمع نہین ہین۔ مگر انسان میں اگرچہ دوسروں میں بھی ہے مگر خاص انسان میں مرتبہ جامعیت کا ہے کیونکہ وہ مظہر جامع ہے۔ جاننا چاہئے کہ عالم ارواح میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے مگر اجسام ہمیشہ متغیر و متلون ہیں۔ اور اس عالم کو کون و فساد اس

وجہہ سے کہتے ہین کہ کون عبارت ہے قبول کرنے صورت کی سے صورت دیگر کو اور فساد عبارت ہی رہا کر دینے صورت سے اپنی صورت کو۔ پس یہ عالم ہمیشہ کون و فساد ہے۔ اور عالم ارواح ہمیشہ ایک حال پر رہتا ہے۔ ہرگز متغیر و متبدل نہین ہوتا ہے۔ اسکو عالم کون و مکان کہتے ہین۔ یعنی صورت کو قبول کرتا ہے اور اس پر استقامت رکہتا ہے اور اسکو نہین چہوڑتا ہے۔ پس کون عبارت صورت کے قبول کرنے سے ہے اور مکان مراد استقامت سے ہے صورت کے لئے پس عالم ارواح کون و مکان ہے اور عالم اجسام کون و فساد ہے اور عالم کون و مکان کو عالم آخرت اور بہشت کہتے ہین اور اس عالم کون و فساد کو قیامت اور دنیا کہتے ہین پس حقیقت مین کون و مکان عالم ارواح ہے۔ کیونکہ عین روح ہے کہ جسم ہو گئی ہے اور صفت بدل لی ہے۔ پس پہر جب کہ جسم اپنے کون ہونے سے فساد مطلق پاتا ہے البتہ روح ہو جاتا ہے۔ پس کون و فساد کون و مکان کون و فساد ہے اسیے سبب سے کہا ہے اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَ اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا یعنی ہمارے روحین ہمارے جسم ہین۔ اور ہمارے جسم ہماری روحین ہین۔ اس مین کچہہ فرق نہین ہے۔ اور یہ سخن ساتہہ کل کے ہے ایک کے ساتہہ نہین ہے سبب کے واسطے ہے۔ پس جب جسم نہ تہا سب روح ہی تہی

پس جو کچھ اس روح کا خلاصہ تھا مراتب ارواح ہوا۔
اور جو کچھ تھا وہ مراتب اجسام ہوا۔ اور ارواح واجسام
نے مقام لیا۔ یعنی آپ اپنے میں مکان پایا۔ پس روح
محرک اور زندہ کرنے والے اجسام کی ہے اور ایک
قرار پر قرار رکھتی ہیں۔ اور اجسام کو بھی متغیر نہیں کرتی
ہے۔ ابھی ایک صورت تمام نہ ہوئی تھی کہ وہ دوسری
لیتے ہے۔ حب سے کہ یہ دونوں صفتیں اختیار رکھیں ہیں
اس کی صفت یہی ہے کہ اس طرح ہو۔ پس دیکھو جب
کہ روح مجرد تھی اور اپنے میں سے اجسام نہ بنائے
تھے ایک حال پر تھی اور جسم و روح ایک جگہہ جمع تھے
ہرگز فرق نہ تھا۔ جب کہ اپنی صفت کو بلا صفت موصوف
ہوگئی یعنی ایک صفت اس کی کہ متغیر و متبدل نہیں ہوتی
ہے۔ اور دوسری صفت کہ ایک صورت سے دوسری
صورت میں نقل کرتی ہے اور مختلف شکلیں بناتی ہے
اور ہمیشہ گردش کرتی ہے مگر اپنے میں۔ ہرگز عدم نہیں
ہوتی ہے۔ کیونکہ سیر وجود کی وجود کی طرف ہے نہ کہ عدم کی
طرف۔ پس عالم کون و فساد کہ عالم اضداد و ظلمت
ہے اور دنیا اس سے عبارت ہے عین عالم کون و
مکان ہے کہ ارواح دلپور ہے اور بہشت اور آخرت
اس سے اشارہ ہے کیونکہ روح نے خود اپنے میں
سے جسم اختیار کیا ہے۔ خود جسم ہے اور خود روح

پس مقرر ہوا کہ جو چیز کہ اس کا مبدا ہے معاد بھی ہووے اور جہان سے آئی ہے وہان لوٹ جاوے کہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع ہوتی ہے - جو کچھہ مبدا ہے اجسام روح سے لازم ہوا کہ جسم پھر روح ہو جاوے - کون و فساد کون و مکان ہو جاوین جاننا چاہئے کہ اس وجود کی اس نزول و عروج کی سیر کو قیامت کہتے ہین ورنہ ایک ذرہ بھی اس وجود کا فانی نہین ہے - پس جاننا چاہئے کہ وجود ایک ہے اور وہ حق ہے اور سوا ے حق کے کوئی موجود نہین اور جو کچھہ ہے سب وہ ہے اور خلق و خالق ایک ہے اور وہ خود اپنی ذات سے معین ہوتا ہے اور پھر بذات خود لاتعین ہوتا ہے - ورنہ اس کی کیا معنی ہین کہ کُلَّ یَوْمٍ ہُوَ فِیْ شَاْنٍ ہر دن اسکی ایک شان ہے وَ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ جو کچھہ زمین و آسمانین ہے سب فنا ہوگا اور باقی رہیگی ذات تیری پروردگار کی کہ صاحب جلال اور بزرگی ہے اور جب وہ شان اول جاتی رہی کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ ہر شئی فنا ہونیوالی ہے مگر اس کی ذات - ثابت ہوئی - جب کہ پہلی شان جاتی رہی اور شان دیگر ہوئی اس وقت الا وجہہ راست آئی - کیونکہ جب کہ یہ فرمایا کہ کل شئی فانی ہے مگر اس کی وجہہ یعنی وجہہ اوس شئے کے تو پھر یہ

کس طرح ہوسکتا ہے کہ ضمیر ہُوَ کی کسو ہی شے راجع نہو وسے یعنی طرف لقیّن کے لیس فنا کرتے ہالک ہے مگر وجہہ اس شئے کی کہ عبارت اس شئے کے وجود سے ہے اور وہ حق ہے۔ باقی ہے۔ دیگر یہ معنی اس کے کہ ہر روز اس کی ایک شان نئی کیا ہے۔ لیس جاننا چاہیئے کہ وجود حق ہے اور وہ وجود ہر دم ایک شان میں ہے اور ہر شان اس کی بیحد و بے نہایت ہے لیس وجود کے اس حال سے اُس حال پر متغیر ہونے کو قیامت نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس وجود کی شان یہ ہے ایسی ہے مگر آدمیوں نے وجود کی اس شان کو نہیں سمجھا اور اس کا مرنا اور فنا ہونا اور قیامت نام رکھا ہے۔ بار آمدم بر سر مطلب۔ کہ روح کو تغیر و تبدل نہیں ہے اور روح میں جسم نہیں مگر جسم کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنی ذات میں نہ کہ دوسرے کی ذات میں تغیر اور تبدل ہوتا ہے۔ لیس جسم کے تغیرات کو قیامت کہتے ہیں۔ مگر یہ کسی جگہہ نہیں فرمایا کہ وجود عدم ہو جاوے اور شیعہ نے بھی نہیں فرمایا کہ ارواح اور اجسام فنا ہو جاوینگے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ اجسام میں تغیر ہو جاتا ہے اور اس تغیر کا نام قیامت رکھا ہے۔ چنانچہ اس باب میں چند آیات و اسطے نشان دہی کے تحریر کئے جاتی ہیں اور اُن کے معنی بیان کئے جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ قیامت عبارت قایم ہونے ہی ہے
اور قیامت کے نشانیان شرع مین یہ ہین کہ جس دن
کہ تیرہ ہو جاوے آفتاب اور تمام ستارے اور چاند
و سورج باہم مل جاوین و سب پہٹ جاوین اور ستارے
ٹوٹ کر گر پڑین اور پہاڑ پراگندہ ہو جاوین اور مردے
قبرون سے اوٹہ بیٹہین اور قمر کو خسوف ہو جاوے اور
آنکہین تیرہ ہو جاوین یہ سب نشان قیامت کے ہین ۔
اور تبدیل اعراض کی ۔ مگر کسی جگہہ ایسا نہین فرمایا ہے
کہ روح تغیر پاوے گی اور اس طرح ہوگی بلکہ یہ فرمایا ہے
کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَکَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ
دیگر روح پر تألم و تعیش روا رکہا ہے ۔ اور پہر
اُس کا حشر اجساد مین کہا ہے ۔ پس یہ تمام تبدیلیان
اعراض مین کہین نہ کہ جوہر مین ۔ مگر اعراض کا وجود
بہی فانی نہین ہے کیونکہ اگر عرض نے ایک صورت
چہوڑ کر دوسری اختیار کر لی تو اسکو فانی نہین کہہ سکتے ۔
بلکہ وجود مین باقی ہے ۔ اور فنا اُس کا رنگ ہے نہ
کہ اس کی حقیقت ۔ کیونکہ اگر آفتاب او ستارے
سب تاریک ہو گئے تو اپنی عرضیت سے گر گئے آخر یہ
عرضیت ان مین باقی ہے ۔ اسوقت بہی عرض تہی
اور اب بہی عرض ہین ۔ اور اگر شمس و قمر جمع
ہو جاوین تو یہ بہی عرض ہین اور جب کہ جدا ہین

تو اب بھی عرض میں تھا جب کہ سخت تھے تو بھی عرض سے تھے اور جب جبکہ تنگا فتہ ہوئے تو بھی عرض ہیں۔ پس کسی حال میں اپنے عرضیت سے خالی ہوئی اور یہ کہیں نہیں کہا کہ عدم ہو جاوینگے بلکہ صفت تبدیل کرینگے جب کہ آن کی صفت اس طرح ہو جاوے ہر آئینہ تبدیلی پائی جاوے گی پس جان لیا چاہئے کہ قیامت آئی۔ پھر کہا کہ کسی شئے کی شکل و صورت نہ رہیگی سب عدم ہو جاوے گی مگر وجود پاک باری تعالےٰ کا رہیگا پس بجز خدا کے کوئی موجود نہوگا۔ اور اللہ فرماتے آج کے دن بادشاہت کسکے لئے ہے پھر آپ ہی جواب دے گا کہ واسطے اللہ قہار کے ہے۔ پھر سب زندے ہو جاوینگے اور سوال کیا جاویگا۔ پس جاننا چاہئے کہ حقیقت تمام موجودات کی حق ہے اور تعین موجودات حجاب ہو گیا ہے کہ اپنے کو لصورت لباس ظاہر کیا ہے۔ اور یہ صورتیں اور تعینات اس حقیقت پر عارضی ہے۔ پس جب کہ جو چیز کہ عارضی تھی جاتی رہی حقیقی رہ گئی پس لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کسکی لئے ہے آج کا ملک درست آیا اور جب کہ سوائے اس کے کوئی غیر نہیں ہے تو پھر جواب کو لادے گا بجز اوس کے کہ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) واسطے اللہ واحد قہار کے۔ یعنی ملک میرے لئے ہے کہ سوائے میرے کوئی نہیں ہے

کہیا ملک کہ خود مالک ہے اور خود ملک ہے۔ پس
کہتا ہے کہ مین ہی تہا کہ ان تعینات کے ساتھ ظاہر ہوا
تہا اور جب کہ تعینات کو مرتفع کیا تو پہر وہ تعینات کہان
ہین۔ اگرچہ بحقیقت وجود تعینات نہین تہا بلکہ نمود ہی بود
تہی۔ اور وجود حقیقی حق کے لئے ہے پس عرض کی اس
تغیر و تبدل کو قیامت کہتے ہین۔ جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے

مثنوی

نقل اعراض ست این بحث نقال
جملہ عالم خود عرض بودند ما
این عرض ہا از چہ زاید از صور
این جہان یک فکرتست از عقل کل
عالم اول جہان و آسمان
چاکرت شاہا خیانت میکند
بندہ ات چون خدمت شایستہ کرد

نقل اعراض ست این سیر سغال
اندرین معنی بیا مد ہل اتی
این صور ہم از چہ زاید از فکر
عقل چون شاہ ہست صورتہا رسل
عالم ثانی جزائے این و آن
آن عرض زنجیر و زندان میشود
آن عرض نہ حلقے باشد و رنبرد

پس جاننا چاہئے کہ کہا ہے کہ العرض لا یبقی زمانین
عرض دو زمانہ تک باقی نہین رہتا ہے۔ عرض ہمیشہ تغیر
و تبدل مین ہے ہر لحظہ عالم ویران ہوتا ہے اور پہر آباد ہوتا ہے

مثنوی

ہر ساعت شود پیدا جہانے
دگر بارہ زمین و آسمانے

ندا می آید از حق بر دوامت | اگر اکنی تو موقوف قیامت
بر آور یکه وسواس از گوش | ندائے واحد القہار بیوش

بعبارت دیگر واضح طور سے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص کی سمجھ مین ہمارا مطلب آجاے - جاننا چاہیے کہ وجود ایک سے زیادہ نہین ہے - اور قدیم ہے - ازل الازل سے ابد الاباد تک قایم وثابت تہا اور رہیگا - اور بجز حق کے کوئی ذرہ موجود نہیں ہے اور تعینات نمود ہے اس کے ظہورات کی اور گردش وجود کی ہے اپنے وجود میں - اور کسی مخلوق کے وجود میں ہرگز نہیں ہے بلکہ جو خالق ہے جو مخلوق ہے - مگر اس وجود کی حقیقت ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر دم تعین دیگر وشان دیگر اختیار کرتا ہے اور ایکدم میں اوس کی سو ہزار شان ہے جاننا چاہیے کہ ایکدم اور ایک شان اسکی ایسی ہے کہ جاتا ہے اور فانی ہوتا ہے - پس ہر دم اس وجود کی ایک دوسری شان ہے - دلیل عقلی ونقلی سے یہ بات مقرر ہوچکی ہے کہ وجود تعینات سے پہلے لاتعین تہا کوئی نہین کہہ سکتا کہ کس طرح تہا یعنی ایک تعین رکہتا تہا دوسرا تعین - تہا کہ اس کا نام رکہیں اور بیان کریں نور اور تاریکی اوس وجود مین ایک جگہہ جمع تہی سب ایک حقیقت تہی اس لئے اسکو لاتعین کہا - حب اسی تعین اول لیا اس جہت سے کہ قابلیت اُسمین اسکی

موجود تھی - پس اسکی قابلیت اس بات کی باعث ہوئی
کہ اس سے علم تعین ہوگیا - اور قابلیت وجود کو مرتبہ علمی
اور جو کچھہ کہ بالفعل ہے اس کو مرتبہ عین نام کیا - اگر یہ
کہا جاوے کہ لاتعین نے تعین کس واسطے اختیار کیا تو
جواب اس کا یہ ہے کہ بحکم کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ کے
حاجت اس وجود کی ایسی ہے واقع ہے اور کوئی اُس
سے سوال کرنیوالا نہین ہے کہ کیون اور کسوجہ سے ایسا
کیا - وہان سوال قفل خاموشی لگا دیا ہے اور چون وچرا
کا دروازہ بند کردیا ہے کوئی یہ نہین کہہ سکتا کہ اس وجود
کی یہ خاصیت کیون واقع ہوئی ہے بقول سعدی مصرعہ

نہ بر حرف او جائے انگشت کس

پس اسوقت سے کہ یہ آسمان و زمین وغیرہ ہوئے ایک روز
اور ایک شان اور ایک تعین ہے دوسرا تعین اختیار نہین
کیا - حدیث مین ہے کہ قیامت مین تبدیل آسمان و زمین
بحکم یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ ٥ جس دن
کہ بدل جاوے زمین غیر زمین سے) ہوگی یعنی زمین غیر
زمین کے ساتھہ بدل جاوے گی پس غیر زمین آسمان سے
آسمان کے ساتھہ بدل جاویگی اور کوئی چیز نرہیگا مگر ذات
اللہ تعالے کی یہ تعین پہر لاتعین ہو جاویگا کیونکہ تعین کا مبدا
لاتعین ہے اور معاد بھی وہی ہے - پس ضرور ہے کہ تعین
کہ تعین پہر لاتعین ہو جاوے ہر آئینہ اگر چاہے پہر تعین

اختیار کرے کیونکہ کل لوم ہوائی شان یہ خاصیت رکھتی
کہ لعین کا لالعین ہونا اور لالعین کا لعین ہو جانے حد مباحث
ہے اس کی انتہا نہین ہے - پس یہ معنی ہیں قیامت اور فنائی
موجودات اور لقائے اللہ تعالے کے اگر سمجھ میں یہ بات ہم
مین نہیں آئی تو ہم پھر صاف صاف بیان کرتے ہین - جاننا
چاہیے کہ لالعین نے جب لعین اختیار کیا دو لعین ہوئے
ایک لعین اوسکا جیسا کہ اس کو لالعین اور لعین بھی کہتے
ہیں - اور مبداء تمام لعینات کا ہے - اور اوس کی
کی دو قسمت ہوئی ایک جوہر اور دوسرا عرض اور جو
الحقیقت ہر شے کی حقیقت ہو جوہر کہتے ہیں -
اور اس لعین کو کہ اوس کا لباس ہے عرض کہتے ہیں -
چنانچہ روح جوہر ہے اور جسم عرض ہے اور اس وجود
کی گردش اور تبدیل صفات کو اپنے میں عرض کہتے ہیں
اور اس وجود کی حقیقت کو جوہر پس اس لعینات کا نام
عرض ہے کہ اس کی نمود ہے مگر حقیقت نہین ہے اور
وجود اعتباری ہیں - پس جب کہ اس وجود میں تبدیل
و گردش نہ تھی لالعین کہتے تھے - پھر جب اس تغیر و تبدل
سے تبدیل ہوگا اور دوسری حالت اختیار کریگا اور اوسکا
اعتبار مرتفع ہو جاویگا وجود اصلی باقی رہیگا - اور
وجود مجازی کہ نمود بے بود ہے فانی ہو جائیگا - پس
یہ قیامت ہے - پس جب تمام لعینات نے ایک لعین

پر قرار پکڑا تو کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ) ہر شی فنا ہو گی مگر اسکی ذات) یعنی حقیقت اشیا کہ حق ہے اور وجہہ مراد اس سے ہے باقی رہیگے - اور اعتبارات کہ نمود بے بود ہین فانی ہو جاوینگے - اور کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اضداد نرہینگے سب ایک حقیقت ہو جاوے گی - اگرچہ اب بہی ایسا ہی ہے مگر عارفونکی نظر مین نہ کہ جاہلون کی نظر مین پس جاننا چاہیے کہ پہرنا اور تغیر او تبدل عرض کا محض حکمت ہے اور جوہر عرض مین مخفی ہے اور عرض جوہر مین - اور ایک دوسرے سا تہہ سیر کرتے ہین اور نتیجہ نکالتے ہین - جاننا چاہیے کہ لاتعین کے تعین مین آنے کی اور جوہر کی فنا و بقا کی مثل ایسی ہے - جیسے کہ نطفہ کہ جب عورت کے رحم مین پڑا چندروز اپنی صورت رہا یعنی آب سفید پہر علقہ ہوا یعنی پارہ گوشت پس جب کہ نطفہ نے صورت اپنی رہا کی اور بصورت علقہ ہو گیا تو گیا یہ کہہ سکتے ہین کہ نطفہ فنا ہو گیا اور علقہ عدم سے وجود مین آگیا کیونکہ یہ امر محال ہے کہ وجود عدم ہو جاوے اور عدم وجود پس مقرر ہوا کہ وہی نطفہ بذات خود علقہ ہو گیا - اور پہر وہ علقہ مضغہ ہو گیا پس وہ علقہ نیست نہین ہوا ہے وہی علقہ مضغہ ہو گیا اور پہر مضغہ عظام ہو گیا جب گوشت پیدا ہو گیا روح اس مین آگی اور قوت بہت پیدا ہو گی -

علقہ پارۂ گوشت

مضغہ صورت گوشت

عظام ہڈیان

مثلاً قوت حادثہ ماشکر واقعہ وغیرہ جیسے کہ کتب طب
میں مرقوم ہیں پس جب کہ نطفہ علقہ ہو گیا مطلق صورت
نطفہ کی نہ رہی اور جب مضغہ ہوا صورت علقہ کی نہ رہی
اور جب ہڈی اور گوشت بنگیا اور روح اس میں آگئی
تو ایک ایسی چیز بنگئی کہ علاوہ نطفہ و علقہ اور مضغہ کے
ہے اور کچھ مشابہت نہیں رہی پس جاننا چاہئے کہ رنگ
نطفہ اور علقہ اور مضغہ کا فانی ہوگیا اور حقیقت اس
کی باقی ہے۔ اور جب کہ ہڈی و گوشت اور روح ہوگیا
اس کا نام انسان ہو گیا۔ اور سب کا رنگ جاتا رہا۔
زینت و جمال طرفہ پیدا ہو گئی پس جاننا چاہئے کہ انسان
جب کہ طفل ہے وہی ہے اور جب کہ جوان ہوا وہی ہے
اور اگر بڈھا ہو گیا تو بھی وہی ہے اور مرگیا تو بھی وہی ہے
پس مرنا فنا ہونا نہیں ہے بلکہ اپنی اصلی حالت پر رجوع
ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ولی شرائط ایمان سے ہے اس
سبب سے کہ اصل آدمی خاک ہے خاک سے تو اصلہ
آب نباتات پیدا ہوئی اور نباتات کو حیوان کھایا نطفہ حیوانی ہوگیا اور
اس نطفہ سے حیوان دوسرا ہوا اور اس حیوان کو
انسان نے کھایا۔ نطفہ انسانی ہوگیا پس دیکھنا چاہئے کہ
نطفہ انسانی خاک سے ہے۔ اور خاک جب کہ نبات
ہوگئی تو وہ عدم نہیں ہوئی۔ اور نبات جبکہ حیوان
بنگئی وہ بھی عدم نہیں ہوئی اور حیوان کو جب کہ انسان

نے کہا یا وہ بھی عدم نہیں ہوا - اور اہل شرع کے نزدیک
یہ بات ہے کہ مومن انسان جس حیوان کو کہتا ہے خاک
اس حیوان کی بہشت کی خاک بنائی جاوے گی جاننا
چاہیئے کہ وجود انسان کا بہشت ہے جب حیوان کی
خاک جزو انسان ہو گئی بہشت میں پہونچگئی کیونکہ وجود
انسان عبارت ہے بہشت سے - جبکہ نطفہ ہو گیا تو تمام
قابلیات کہ انسان کامل میں ہوتی ہیں نطفہ میں آگئی ہر قابلیت
کو ایک وقت پر ظاہر کرتا ہے - اور جب کہ نطفہ نہ تھا
تو تمام قابلیات خاک میں تھی - پس خاک کے جوش
سے نطفہ ہو گیا اور جب نطفہ نے جوش کیا تو جو قابلیت
کہ اس میں تھی سب کو ظاہر کردیا - اور تمام قابلیت ایک
وقت ظاہر نہیں ہوتی ہے مگر ایک وقت میں صورت
نطفہ میں سب ہوتے ہیں - اور جب سب کو
ظاہر کرنا چاہتا ہے البتہ ایک ایک کو ظاہر کرتا ہے
کیونکہ ایک وقت میں سب کا ظاہر ہونا محال ہے اور
جب جس صورت کو ظاہر کرتا ہے صورت اول کو محو
کرتا ہے مگر مادہ اُن صورتوں کا محو نہیں ہوتا ہے مثل
نطفہ کے - پس جاننا چاہیئے کہ وہی خاک ہے کہ نطفہ
ہو گئی اور وہی نطفہ ہے کہ انسان کامل ہو گیا وہی
ایک جز ہے کہ صورتیں اختیار کرتا ہے اور پہلی صورتوں
کو چھوڑتا ہے اور کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کے بھی معنی ہیں

پس جب نطفہ بصورت انسان کامل ہو گیا پھر ضرور ہے کہ
خاک ہو جاوے اور پھر نطفہ ہو جاوے پس یہ نہ مرنا
ہے نہ فنا ہونا نہ قیامت بلکہ اس وجود کی خاصیت ایسی
سے واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ تغیر و تبدل نطفہ کا اور اس
کی گردش اور اسلئے وجود کی بقا جیسے کہ اس کے تعینات
کے فنا ہو جانے میں معلوم کی۔ ہر آئینہ اب جاننا چاہئے
کہ مبدا ر تمام موجودات کا وجود حق ہے اور اس نے
تعین اختیار کیا۔ پس وہ تعین اول کہ اس کو روح اول
اور عقل اوّل کہتے ہین مبدا اس وجود کا ہے۔ عرش
سے فرش تک ہر آئینہ جو کچھ اس وجود میں نظر آتا ہے
اس مبدا میں بتناسب زمانے کے گردش سے نظر مین
آئی جاتی ہے جیسے کہ موج بعد موج کے آتی ہے۔ اور
اور خاصیت اور قابلیت اس مبدا مین بے انتہا ہے
ایک صورت کو لیتا ہے دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے۔
ہمیشہ یہ کام کرتا ہے اور اس کام سے جدا نہین ہوتا ہے،
کیونکہ تقاضا کُلّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ کا یہی ہے۔
پس اسیطرح سے جاننا چاہئے کہ اس وجود میں جو
کچھ ہے تفسیر اس کی یہی ہے۔ اور ہر گز حقیقت
وجود فانی نہیں ہے بلکہ اگر تغیر ہوتا ہے تو اسی حالت
حقیقی پر کہ اس کی ذات مین پیدا ہوئی ہے۔ پس یہ
وجود کا کمال ہے نہ کہ فنا اس کی۔ کیونکہ ہر شئے مع ہر شئے

کے واقع ہے پس جب کہ تمام چیز تمام چیز مین ہو۔ تو
ہر آئینہ لازم ہے کہ ہر جز اتنی گردش کرے اور اس کا
ظہور ہووے کہ تمام اشیا کہ ایک جز مین ہون سب
ظاہر ہو جاوین پھر اُن جزون کی اجزا علی ہذا القیاس
الیٰ ما لا نہایت جہان تک انتہا نہین - یہ بیان ذرا
دقیق ہے ہر ایکی سمجھ مین آسانی سے نہین آسکتا طالب
کو چاہیے کہ بنظر تدقیق بتکرار اس مطالعہ کرے تاکہ
یہ اسرار فہم مین آوے - کہ گردش اس وجود کی ایسی
ہی ہے کہ ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال پر ہوتا ہے
اور عروج و نزول اور سیر اس وجود کی اپنی ذات
مین ہے - اور بے انتہا ماہیت اور خاصیت اس وجود کے
ایسی ہے واقع ہوئی ہے کہ ہمیشہ سیر اور نزول رکھتا
ہے کما قال مولانا۔

اشعار

در سماق از ماه تو گر دو دو تا	نه در آخر بدر گردد بر سما
گرچه دردانه به هاون کوفتند	نور چشم و دل شد و بیند بلند
گندمی را زیر خاک انداختند	پس ز خاکش خوشها برداشتند
بار دیگر کوفتندش ز آسیا	قیمتش افزون که جان بخشا فزا
باز نان را زیر دندان کوفتند	گشت عقل و جان و فهم هوشمند
باز آن جان چونکه محو عشق گشت	نعمت المزراع آمد وقت کشت

پس جاننا چاہئے کہ حقیقت اس وجود کی یہ ہے کہ عرض
کو دوسرے عرض کے ساتھ تبدیل ہو جانے سے یا دونوں
اعراض کے باہم ملانے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی
بلکہ کمال حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت اشیا کی کہ قابلیت
و تعینات رنگ و اعراض سے ہرگز فانی نہیں ہے۔ اور
نہ ایسی کہ عدم میں گئی بلکہ عین وجود میں ہے۔ مگر نمود
میں بے بود ہے۔ تعینات اس وجود کی فانی ہیں اور
اس کی حقیقت کے تعین ہوتی ہے اسکا ہر دو نشان باقی
ہے اور یہ معنی ہیں اس کے کہ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى
وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ كُلُّ
شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ مگر اس جگہ اس غلطی
میں نہیں پڑنا چاہئے کہ دو وجود ہیں ایک حرفانی اور
ایک حرباقی۔ دو وجود ہرگز لازم نہیں آتی ہیں۔ بلکہ
درحقیقت وجود ایک ہے کہ موجود ہے مگر وہ ہر دم ایک
ایک شان اور ایک تعین اختیار کرتا ہے۔ پس عارف
تعین ہے بواسطہ تعین دیگر کے۔ اور بقا عبارت اس
سے ہے کہ بعد فنا کے دوسری تعین کی صورت حاصل کرے
اور وہ وجود متعین ہوتا ہے۔ اور باقی ہے اور اس
کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً ایک دریا ہے کہ ہر دم موج مارتا
ہے اور جو موج کہ اُٹھتی ہے دوسری موج کی نفی کرتی
ہے۔ پس کیا اس سے دو وجود لازم آتے ہیں۔ نہیں

بلکہ وہی موج اول ہے کہ دوسرے کے آنیسے فنا ہو گئی
اور یہ دوسری بجائے اُس موج اول کے ہے نمود مین
مگر وجود مین تفاوت نہین ہے اور ایک دریا مین یہ سب
موج و حباب اوٹھتی ہے اور وہی دریا ہے کہ کہہ سکتے ہین
کہ موج اور حباب فنا ہو گئے اور دریا باقی ہے - اگرچہ
خود دریا تہا کہ موج و حباب تہے اور باعتبار دیگر موج
و حباب بہی فانی نہین ہین - کیونکہ جب تک دریا ہے
موج و حباب ہین - اور جب کہ وہ موج و حباب جاتی
رہی اور دوسری پیدا ہو گئی تو ان کو فنا نہین کہہ
سکتے کیونکہ فنا ہونا اسوقت مین تہا جب کہ دریا اس
طرح بہتا کہ اس مین موج و حباب نہ اٹھتے - اور جب
کہ ہمیشہ دریا کا یہی حال ہے تو اس اعتبار سے موج
و حباب بہی باقی ہے - تو پہر کیا اس سے کہ دریا ہمیشہ
موج مارتی ہے اور اس کی ایک موج دوسری موج
کو زایل کرتی ہے اور خود بجاے اس کے ہو جاتی ہے
دوئی لازم آتی ہے - ہر آئینہ دوئی لازم نہین آتی ہے
کیونکہ دریا ایک ہے دریا کے وجود مین دوئی نہین ہے
پس موجین اور بگولے نمود دریا ہین اور خاصیت دریا
کی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہمیشہ موج اسکے ساتھہ ہو
اور ہر موج دوسری موج کو برہم کرے مگر ایک موج
کی حقیقت دوسری موج کی حقیقت کے ساتھہ ایکنہ

ہے اور دریا میں ہرگز تفاوت نہیں ہے۔ پس اگر
کوئی ایسا وقت آ جاوے کہ یہ وجود کا دریا موج مالی
سے بند ہو جاوے تو اس شہرت کا نام فنائے موجودات
اور لقائے حق اور قیامت ہے۔ اور بمعنی دیگر۔ ہمیشہ
یہ دریا وجود کا تموج میں ہے اور اس وقت سے کہ تعین
آسمان اور زمین کا لیا ہے ایک موج ہے کہ اس صفت
سے ظاہر ہوئی ہے جب کہ دوسری موج پیدا ہو گی یعنی
تعین دیگرا اختیار کرے گی اور اس موج کو برہم کر دیگی
یعنی اس تعین سے تعین دیگرا اختیار کریگی تو اس حال
کو فنائی اشیاء و لقائے حق اور قیامت کہتے ہیں اور یہ
ہیں معنی کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کے پس جاننا چاہئے
کہ تبدیل و تغیر اس وجود وجود کا کمال سے نہ کہ نقصان۔
فنا نہیں ہے بلکہ حکمت ہے کہ اس وجود کے تغیر و تبدل
میں پائی جاتی ہے۔ اب آگے زبان یاری نہیں دیتی
ورنہ قصہ بہت ہے۔

بیت

شب وقت وحدیث من آ پایان نکرد	شب ار چہ گہ حدیث من بود دراز

اور علاوہ ازیں اجازت ہی نہیں ہے ورنہ اس سے
زیادہ واضح بیان کرنا بیت

قیمت شوری وگر نہ ریختی	گر دار دریائی راز انگیختی

گر نگویم بر چہ میسد الخ تمام		جملہ مجنون میشوند تش والسلام

اگر کسی کے گوش شنوا اور چشم بینا ہو تو ہم ہمنے بیان کرنے مین اب بہی کمی نہین کی۔ اور اگر کرؔ مادرزاد ہو تو کیا کیا جاوے۔ کیونکہ جو بیماری کہ آدمی ماکے پیٹ مین سے لاتا ہے اس کو کوئی دور نہین کرسکتا۔ جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کی حقیقت یہ ہے۔ اور وجود باقی ہے اس کو اصلا فنا نہین ہے۔ اب قیامت کی نشانیان انسان کے وجود مین ظاہر کیجاتی ہین کیونکہ وہ تو قیامت کبرےٰ ہے کہ تمام وجود کے واسطے ہے۔ پس یہان انسان کے مرنے تک قیامت کو تمام کردینا چاہیئے۔ تا شک وشبہ بکلی رفع ہو جاوے پس جاننا چاہیئے کہ جب نور آفتاب ہمراہ آگ و پانی کے زمین کے اوپر حمیکا نبات ہو گیا تو دیکہنا چاہیئے کہ عناصر مین کس قدر تبدل و تغیر واقع ہوا تب نبات ہوا۔ اور جب نبات کو حیوان نے کہایا نطفہ حیوانی بنگیا اور اس سے دوسرا حیوان پیدا ہوا۔ اور اس کو جب انسان نے کہایا نطفہ انسانی پیدا ہوا۔ اور یہ نطفہ خلاصہ غذا کا ہے پس دیکہنا چاہیئے کہ عناصر سے نطفہ انسانی تک کس قدر تغیر و تبدل واقع ہوا اور کتنے نام اس کے رکہے گئے۔ پس یہ تبدیل ہونا عناصر کا نطفہ انسانی کے ساتہہ مثال عالم دنیا و تغیرات دنیا کی ہے۔ اور جب نطفہ ہو گیا مانند پانی کے ہے کہ عالم

دنیا تمام ہو گیا اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں رہی کہ پھر مخلوق ہووے۔ اور جو کچھ قابلیت کہ وجود عالم میں تھی سب ظہور میں آئی۔ جب تک کہ عناصر لطفہ انسانی ہوا تھا ہنوز خلقت باقی تھی اور جب کہ عناصر مرتبۂ انسانی پر پہونچا خلقت تمام ہو گئی۔ کیونکہ انسان کے نطفہ میں تمام اشیاء کی قابلیت ہے۔ اور نطفہ کو ہیولائے اول جوہر اول و عقل اول اور روح اول کہتے ہیں۔ جب نطفہ بن گیا گویا عالم دنیا کمال پر پہونچا۔ اب ہم قیامت کو بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ بعد نطفہ کے احوال قیامت اس کے اوپر گذرتا ہے۔ اور جو کچھ نشانیاں قیامت کی ہیں نطفہ پر وارد ہوتی ہیں۔ اس وقت تک کہ انسان کامل ہوتا ہے اور مرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسرافیل صور پھونکیگا اور تمام اشیاء فنا ہو جاوینگی اور بجز حق کسی چیز کا نشان نہ رہیگا۔ اسی طرح جب کہ مرد عورت کے ساتھ جماع کرتا ہے اور نطفہ رحم میں جاکر قرار پکڑتا ہے تو اس حال ایسا ہے کہ اسرافیل نے صور پھونکا اور عالم تمام نیست ہو گیا۔ کیونکہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عالم نام ایک وجود کے تعینات کا ہے کہ تمام نمود بے لو ہے اور حق عبارت صرف وجود سے ہے کہ اصل وہی ہے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ نمود نطفہ کیا ہے

ایک رنگ سفید مانند پانی کے ہے جب عورت کے رحم
مین پڑا اپنی حالت سے متغیر ہوگیا اور رنگ اس کا فانی
ہوگیا مگر حقیقت اس کی کہ وجود ہے باقی ہے۔ جب
تک کہ شکم مین تہا گویا عالم تمام فانی تہا اور بے نشان
تہا اور وجود حق کے لیئے تہا کیونکہ جب کہ سب نیست ہو
جاوینگے حق موجود ہوگا۔ نیست ہونیکے یہ معنی ہین کہ ایک
مدت تک بے نمود اور رنگ کہ اس وجود کا ہے نہ ہے۔
جب تک کہ قابلیت پیدا کرے مگر اسوقت کہ نفخہ دیگر ہووے
پہر وہی قابلیت اصلی کہ تمام صورتون کو چہوڑ دیا تہا پہر
اختیار کرلیوے۔ اسطرح سے جاننا چاہیئے کہ جب کہ
نطفہ عورت کے رحم مین پڑا اور وہ حالت اس کی
متغیر ہوگئی۔ پہر جب کہ قابلیت تمام جو کچہ کہ نطفہ مین
تہی ظہور مین آئی۔ یعنی چند روز نطفہ اسی طور پر رہا بعد
ازان علقہ اور مضغہ اور پہر عظم و لحم ہوگیا اور یہ حالت
چار مہینہ تک رہی۔ اور پہر اسمین زندگی پڑی جب شکم
مادر سے باہر آیا گویا نفخہ دیگر ہونکا گیا اور از سرنو عالم
کو حیات ہوئی۔ کیونکہ جب کہ نطفہ نطفگی سے گذر گیا تہا اور
وہ قابلیت اس زایل ہوگئی تہی۔ پہر جب لڑکا رحم مین
سے باہر آیا جو قوت کہ نطفہ مین تہی وقوع مین آئی
اور تمام عالم حشر اجساد ہوگیا۔ کیونکہ جو کچہ کہ عالم مین
ہے آدم کے وجود مین ہے۔ پس جو کچہ کہ عالم مین تہا

وہ نطفہ انسانی مین سب موجود ہے اور نطفہ حب تک کہ
اس مین جان نہین پڑتی ہے اور شکم سے باہر نہین
آتا ہے وہ معطل ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ تمام نام
نیست تہا۔ اور جب شکم سے باہر آیا تو جو کچہہ عالم میں
تہا اس میں پیدا و ظاہر ہوا۔ ابتدائے گردش افلاک
وستارے اور ثوابت و عناصر سے غایت تک جو
کچہہ تہا وہی ہو کر نطفہ میں تہا اور وجود میں آیا۔ ہر آئینہ
یہ نفخہ ثانیہ ہے اور حشر اجساد و قیامت ہے جاننا چاہیے
کہ یہ طفل یکروزہ ہیولائے اول تولد معنوی کا ہے
چنانچہ نطفہ مین قابلیت تہی کہ بصورت انسان ہو جاوے
ہر آئینہ اس طفل یکروزہ مین قابلیت اس کی ہے کہ
انسان کامل ہو جاوے اور سیرت انکی اختیار کرے۔
پس جب کہ لڑکا شکم مادر سے نکلا ایسا ہے کہ تمام آدمی
قبر سے اوٹہی۔ کیونکہ ماں کا پیٹ مثل گور کی تنگ و تاریک
ہے ہر آئینہ یہ نکلنا اوس کا شکم مادر سے حشر اجساد ہے اور یوم
القیامت ہے (قیامت کا دن) بعد اوسکے میزان عدل ہے
کہ نیکی و بدی سکی تولی جاوے گی ایک پلہ مین نیکی
اور ایک پلہ مین بدی رکہی جاوے گی اگر پلہ نیکی کا غالب
آگیا تو جنت ملیگی اور اگر بدی کا پلہ غالب آگیا تو دوزخ
مین ڈالا جاوے گا۔ جاننا چاہیئے کہ جب انسان بالغ
ہو گیا تو ایسا ہے کہ اعمال اس کے کو وزن کیا اور بلوغ

کی دو قسمین ہین ایک صوری کہ بارہ برس کی عمر سے ہے
اس مین جو اسما ہر چیز کے کہ لڑکے کو تعلیم کئے جاتے ہین
وہ سب حاصل کرتا ہے اور وہ خاصیت تا آخر عمر اس کے
ساتھہ رہتی ہے۔ اور دوسرا بلوغ معنوی ہے۔ کہ چالیس سال
مین ہوتا ہے۔ اگر چالیس برس مین عقل پیدا ہو گئی اور
تقوے اور پرہیز اختیار کرا ور معرفت حاصل ہو گئی تو ہمیشہ
تا لب گور یہی احوال رہیگا بلکہ ابدالاباد تک اسی طرح
رہیگا۔ پس بلوغ کے وقت لڑکا ایسا ہے کہ اس کے اعمال
کو وزن کیا۔ اس کے رب سنے کہ اس مین سے اور
وہ عبارت ہے روح سے۔ احوال کا تفحص کیا کہ خاصیت
اجسام کہ عبارت گناہ اور مبدا عصیان سے ہے ساتھہ
صفا ئی روحانی کے کہ بجائے حسنات اور مبدا اُنکو ہے
ہے۔ کیونکہ اس وجود مین بہی دو صفت پائی جاتی ہین
پس ہر نقش انمین سے ایک چیز کو اختیار کرتا ہے اور
ایک صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو جو کچھہ کہ مخفی تہا وہ
ظہور مین آتا ہے۔ پس وہ وزن کرنیوالا اس کا رب
ہے کہ اس کے غایت استیلا سے کوئی کو نہین دیکھہ
سکتا ہے۔ اگرچہ وجود مین اس کا ہے اسی طرح چنانچہ
اگر حساب کریگا تو غایت سبب ہے کوئی اس کو
نہین دیکھہ سکتا۔ اسی طرح سے ہر انسان مین بعد
از بلوغ اس کے رب نے۔ کہ اس کے اندر ہے

اور اس سے خبردار نہین ہے اگرچہ وہی ہے کہ اس کا وجود ہے اگر دریافت کیا کہ اس آدمی کے وجود میں کثافت جسمانی بہت ہے پس اسکو خواہش نفسانی میں مشغول کیا اور برے برے انجام و اعمال میں مبتلا غرور و تکبر و حرص و نخوت اور فسق و شہوت مین گرفتار کیا۔ اور وہ اسمیں کہ مثل دوزخ بلکہ عین دوزخ ہیں۔ گرفتار ہوا۔ اور اگر اس ورق کرنیوالے نے معلوم کیا کہ اس مین صفائی روحانی بہت ہے پس اسکو عبادت و ذکر میں مشغول کرکے سخاوت و علم و حلم اور معرفت اور تحقیق وجود میں پابند کیا کہ یہ چیزیں مثل بہشت کے ہیں۔ پس جزاء اعمال کے یہ معنی ہیں کہ دار ہوع یا دوزخ ہے یا بہشت۔ بہشت عبارت علم سے ہے اور دوزخ جہل سے ہے۔ اور اگر اس ورق کرنے والے نے دونوں خاصیت برابر معلوم کیں۔ تو اول عمر میں کثافت جسمانی مین مشغول کیا اور آخر میں توفیق سعادت مندی حاصل کرکے لطافت روحانی پر پہنچا دیا۔ اور کہا گیا ہے کہ ہر انسان کو ایک مرتبہ دوزخ مین گذر ہوگا تب بہشت میں پہونچیگا۔ سر آئینہ ہر کس کو کثافت جسمانی کے ساتھہ شغل ہے تاکہ لطافت سے گذر کر روحانیت پر پہونچے پس جب تک کہ دوزخ سے نہ گذری بہشت مین نہیں پہونچتا ہے

جب تک کہ سالک شریعت و طریقت و حقیقت مین
استقامت حاصل نہین کرتا یعنی ایک حال پہ نہین رہتا
مرتبہ توحید پہ نہین پہونچ سکتا۔ اور اقل مدت استقامت
کی سات برس ہے۔ اور سالک کو چاہئے کہ مرنے
سے پہلے مر جاوے اور حد اعتدال سے قدم باہر نہ
رکھے کہ (خیر الامور اوسطہا) ہر کام کا درمیانی
برتاو بہتر ہوتا ہے)۔ پس جب کہ مرتبہ توحید پر پہونچ
جاوے تو عالم تمام بجز حق کے نیست دکھائی دیگا اور
بجز حق کے کوئی موجود نہوگا پس وہی حال کہ
قیامت مین ہوگا اس کو اس وقت میسر ہوگا۔ جب تمام
خلقت کو دیکھے گا پس بہشت مین ہے جاننا چاہئے
کہ اگر تمام نشان قیامت کے بیان کئے جاوین
تو کتاب دراز ہو جاوے اس لئے یہ چند باتین
یہان پہ ظاہر کر دی گئین تاکہ معلوم ہو جاوے کہ
تمام احوال وہان کا یہان گذرتا ہے اور جب
انسان غور سے دیکھیگا تمام کو اپنے مین پاویگا
پس منتظر وعدہ فردا کا نرہنا چاہئے۔ ادھر ادھر نقش
سے دل کو نہ چھیلنا چاہئے۔ مگر فکر امروز مین رہنا چاہئے
اور جب حقیقت کام کی معلوم ہو جاوے گی تو جو کچھ کہ
سواے اس کے نہین ہے معلوم ہو جاوے گا۔ پس
اگر تو اوس کا مرد ہو جاوے گا سب وہی ہو جاویگا۔

بیت

اگر تو مرد باشی با تمام و باشی | کہ تو ہرگز مباشی درمیان حیدر باشے

جاننا چاہیے کہ احوال قیامت یہ ہی کہ تمام عالم نیست
ہو جاویگا اور کسی یقین کا نشان نہ رہیگا اور آخرمین
قیامت کے یہ ہی کہ دیدار خدا کا نصیب ہوگا کہ کچھ
اور دیدار کچھ نہیں ہے پس جب کہ انسان نے آنکھ
روشن کی اور دیکھا کہ کسی ذرہ کو وجود نہیں ہے مگر
تمام عدم ہے اور تمام موجودات موہومی ہے کوئی
حقیقت نہیں رکھتی ہے ہر آئینہ اس کو یہی مرتبہ ہے
کہ قیامت کے آنے سے تمام فانی ہوگئے۔ اور لمحہ اول
یہی ہے۔ اور جب بعد از فنا اثبات لقاے حق کو
تحقیق کیا اور بجز وجود مطلق کچھ نہ دیکھا اور بجز ذات
بحت کچھ نظر مین نہ آیا اور تمام کو حال محض دیکھا
اور عدم کا بھی وجود دیکھا۔ اور ہر ایک عین کے دیکھا
اور سب کو حق پایا اور حق کو سب خیال کیا تو لمحہ
ثانیہ یہی ہے۔ اور اسی لمحہ میں ہے کہ تمام موجودات
باقی ہوگئی اور دیدار حق کو دیکھا۔ کیونکہ حق کو کما حقہ
دیکھا پس اس سے بالا کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ پس اس
مرتبہ خالی لمحہ اول سے اس مرتبہ کے آنے تک
کہ لقاے محض ہے جسقدر۔ احوال کہ اس درمیان میں

گذرتے ہین سب احوال قیامت کے ساتھ کہ ابتدای صور اول سے مرتبہ رویت حق تک گذرتے ہین مطابق ہین - اور قیامت کے تمام نشانیان اس وجود مین ہین

رباعی

این نسخہ نامہ الہی کہ توی	دیگر	آے آئینہ جمال شاہی کہ توی
بیرون نہ تو نیست ہر چہ در عالم ست		از خود لطلب ہر انچہ خواہی کہ توی
اے قطرہ تو غافلی کہ دریا		در جوی تو میرود ہویدا
یعنی چونکہ کنی جیسا ور است		لکین ہژدہ ہزار عالم اینجا ہست

اسے مطابقت ان نشانیون کی شروع سوال مین مذکور ہوی ہین بیان ہوتی ہین جاننا چاہیے کہ قیامت کے دن پہاڑ روئین کی مانند اڑتے پہرینگے کہ جیسے نداف کے پاس اڑتے ہین - اسی طرح جاننا چاہیے کہ سالک کے لئے اس کی ہستی کا پہاڑ حجاب ہے جب کہ لقاے وحدت حاصل ہوتی ہے تو ہستی نہین رہتی ہے اور تمام شعشہ انوار مین محو ہو جاتی ہے اور ہستی اس کی یعنی صفات بشریت کہ مثل پہاڑ کی تہی پوشیدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ کہا

بیت

تا ہمچو الف نگردی از خویش	این قاف تو بر نخیزد از پیش

ہانہ ... ہستی

اور جس صفات بشریت کہ خاصیت وکثافت جسمانی
سے بسبب داخل ہونے صفات روحانی کے تنزل مین
آئے سست ہو یعنی جس وقت کہ زمین بشریت لرزہ
مین آئی اور فنا ہونے لگی کیونکہ تجلی احدیت میں
صفات بشریت محو اور لاشی معلوم ہوتی ہیں اور
خرابی واقع ہوئی اور جو کچھ کہ اس کی قابلیت میں ہے
سب کو ایک بار ظاہر کیا اور کنوز معانی ظاہر ہوئی اور
اسرار کھل گئے تو اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا
واقع ہوا- کیونکہ بعد از خرابی صفات بشریت کے خزانہ
سر الہی کے تمام ظاہر ہوگئے جیسا کہ کہا

مثنوی

ہر عمارت گری جان ودل	در شکست این خانہ ایوان گر
تا بود این جا یگل حرد خشت	منظر دل ہیچ نگردد درست

جس وقت کہ انسان پر گنج معرفت ظاہر ہو گیا اور جان
لیا کہ تو ہی حر مجھہ میں سے نہیں ہے بلکہ سب حق
سے ہے اور وجود مطلق اسی کے واسطے ہے اور اختیار
فعل میں وہی رکھتا ہے - پس وہ یہ وقت ہے کہ قَالَ الْاِ
نْسَانُ مَا لَهَا - اور جس وقت کہ انسان پر لطافت
روحانی اور حق اور کثافت جسمانی مکشوف ہوگئی
اور معلوم کیا کہ دونوں بعد از کس طرح ہوئی تھی

اور کس طرح صورت پکڑے ہے اور قوہ مین کس طرح
خورد تھی اور فعل مین کس طرح بزرگ ہوی - ہر آئینہ
یہ بزرگی انسان کی کہ فعل مین ہے نہ فعل مین سے
بلکہ قوتین زیادہ ہو گئین ہین چنانچہ ایک دانہ سے لاکھون
دانے بلکہ بے نہایت تمام قوت مین ہین اور حقیقت
مین فعل و قوت ایک ہے - پس دیکھا کہ روح مجرد
آئی تھی اور قوت بسیار حاصل کی اور جسم بھی مختصر
آیا تھا بڑا ہو گیا اور بہت سی قوتین پیدا کرلین پس
ان دونون کو اپنے عالم مین پھر کام سپرد ہوا کہ
ایک سے سو ہوئے تھے اب ہزار بلکہ صد ہزار ہو
جاوین - اور کہا گیا ہے کہ جب کہ انسان کامل ہو
جاتا ہے ظاہر کو کہ جسمانی ہے بالکل ظاہر کے ساتھہ
مشغول کرتا ہے اور باطن کو کہ روحانی
ہے بالکل روح کے ساتھہ مشغول کرتا ہے یعنی دونون
مین سے ہر ایک کو عالم قوہ مین کام سپرد کیا اور
دونون نے جزا پائی - پس جسوقت کہ انسان کمال
معرفت پر ہو پہونچا آیۃ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ واقع
ہوی - کیونکہ تولد صوری کا حساب آفتاب سے
ہے اور تولد معنوی کا عقل سے ہے پس اگر آفتاب
نہو تو حیوان نہو اسی طرح اگر عقل نہو تو انسان نہو
پس جب کہ عشق آیا اور آفتاب احدیت چمکا آفتاب

عقل سیاہ ہو گیا۔ ہر آئینہ یہ وہ وقت ہے کہ شمس سیاہ ہو گیا۔ جب کہ سالک کو مشاہدہ وجود عینی کا حاصل ہوتا ہے۔ سخن سے خاموش ہو جاتا ہے اور عالم معنی میں عبارت کم ہو جاتی ہے اور عبارت کا وجود معدوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰہُ کَلَّ لِسَانُہٗ جس نے پہچانا خدا کو گونگی ہوئی زبان اس کی کیونکہ معشوق کے حضور میں زبان نہیں ہلا سکتے۔ جیسا کہ کہا جنید نے مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَقُوْلُ اللّٰہَ ہ

جس نے اللہ کو پہچانا وہ اللہ نہیں کہتا ہے کیونکہ بادشاہ کے حضور میں بادشاہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ بے ادبی ہے۔ پس ناطق بھی اس عالم میں گنگ ہوتا ہے کیونکہ روح انسانی کہ روح اضافی ہے اور نفس ناطقہ عبارت اس سے ہے اور مانند قمر ہے۔ کیونکہ نفس ناطقہ عقل سے کہ کائے شمس ہے فیض حاصل کرتا ہے۔ یعنی نفس ناطقہ مانند ماہ کے اور عقل مانند آفتاب کے ہے پس جب کہ عقل مشاہدہ میں سیاہ ہو گئی تو ہر آئینہ اس سے لازم آتا ہے کہ نفس ناطقہ بھی سیاہ ہو جاوے اور خَسَفَ الْقَمَرُ عبارت اس سے ہے اور عقل کائے دلالہ ہے جب وصل ہو جاتا ہے تو دلالہ سے کام نہیں رہتا ہے۔ جب عقل تیرہ ہو جاتی ہے نفس ناطقہ گنگ ہو جاتا ہے ہر آئینہ چشم بھی تیرہ ہوئی بَرِقَ الْبَصَرُ

عبارت اس سے ہے۔ یعنی آنکھیں کہ جنسے دیکھ سکتے تھے تاریک ہوگئیں۔ اور کمال معرفت و شناخت اسی میں ہے کہ نہ دم مار سکے اور نہ دیکھ سکے کیونکہ جہاں کو جلوہ روح کا ہے وہاں حواس عشرہ کا وجود نہیں ہے۔ نہ سننے کی قدرت ہے نہ دیکھنے کی کیونکہ اس مرتبہ میں آنکھ ہی عنبر ہے اور دیدار منقطع ہے اور کان بہرے ہیں اور زبان گنگ ہے اور آنکھ اندھی ہے۔ نقل ہے کہ ایکدن ابو یزید جنگل میں جارہے تھے کہ ناگاہ ایک کاسہ سر نظر پڑا اسی میں لکھا ہوا تھا صُمٌّ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ (یعنی گونگے بہرے اندھے ہیں پس وہ رجوع نہیں ہوتے) کہا کہ یہ کاسہ سر عارف معلوم ہوتا ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ عارف کا مرتبہ یہ ہے کہ نہ سنے نہ دیکھے نہ جانے وجود میں ہستی حقیقی ہو جاوے یہ ہیں معنی خسف القمر و برق البصر کے پھر جب سالک مقام سہو پر بعد محو ہونیکے اور مقام لقا پر بعد فنا ہونیکے آتا ہے اور عقل گم شدہ وغیرہ میں پھر منتظر نور حق ایک دانہ میں ہزار پتے و شاخ لگتی ہیں۔ اور سخن کہنا آغاز کرتا ہے کہ مَنۡ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهٗ جو خدا کو پہچانتا ہے اسکی زبان دراز ہو جاتی ہے اور اسکی عقل ناقص کامل ہو جاتی ہے اور نور عشق اس کا نام ہو جاتا ہے۔ اسوقت عقل نفس ناطقہ کے ساتھ

باہم ملتی ہے اور جمع کئے جاتی ہیں اور دونوں کو بہت
کمال حاصل ہو جاتا ہے پس جَمَعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ
اس سے مراد ہے۔ جاننا چاہئے کہ کرامات اولیاء و
معجزات انبیا بھی اسی مقام پر ہیں کہ جب عقل کامل
نفس ناطقہ کے ساتھ جمع ہو جاتے ہے تو جس امر کے
لئے کہ حکم دیتے ہیں اور وہ واقع ہوتا ہے اور تمام
عالم مکشوف ہو جاتا ہے اور عالم عرش سے فرش تک
عقل و نفس ناطقہ کے آگے ایسا ہے کہ جس طرح جنگل
میں دانہ خشخاش کا پڑا ہو کہ اسکے نمود ہی نہیں
ہے۔ اور عقل محیط ہے تمام ذرون پر۔ جاننا چاہئے
کہ یہ عقل کامل اور نفس ناطقہ کہ بعد از فنا اسکو بقا
ہوئی ہستی سے بھی آگاہ ہے اور ہستی سے بھی انسان
کی تحقیقات وجود کی اس وقت ختم ہوتی ہے کہ جب
اس مرتبہ پر پہونچ جاوے کہ باوجود ہستی کے نیست اور
باوجود نیستی کے ہستی دیکھتا ہے پس جاننا چاہئے
کہ ہر وقت احوال قیامت کا گذرتا ہے اور موجودات
کے ذرہ ذرہ میں سے اگر آنکھہ کھولکر دیکھا جاوے
تو وہی قیامت ہے اور وجود ایک ہے بلکہ اس وجود
مین سے اسم اور رسم منقطع ہے۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ
کہ اس وجود کا یہ نام ہے۔ مگر یہ بات کس سے کہی
جاوے بجز طالب حق کے۔ اور انسان کے دو آنکھہ

نہین ہے کہ جس سے پہچانی جاوے ذات حق کی مگر یہ
آنکھہ جب پیدا ہو کہ طالب عین حق ہو جاوے -

مثنوی

تو قیامت شو قیامت را ببین | دانش ہر چیز را شرط است این
آفتاب آمد دلیل آفتاب | گر دلیلت باید از وی رو متاب
تو نہ بینی ہیچ چیزی را عیان | تا نگردی بالیقین تو عین آن

جب کہ طالب عین قیامت ہو جاوے اس وقت
قیامت کو دیکھے اور معلوم کرے اور جب تک یہ حال
میسر نہین ہوتا ہے تو منکر اولیا رہو کر اون کے احوال
کو نہین دریافت کرسکتا کہ وے عین حق ہین اور خوف
و رجا و امید و بیم ان مین نہین رہی - اور اون کی
دلگی فراخی سے وسعت عرش و کرسی و بہشت و دوزخ
کی کم ہے - اون کے ہر نفس مین فنا اور بقا ہے کیونکہ
اس نفس مین کہ اوپر کو آتا ہے نفی موجودات کے
کرتے ہین اور نفخہ اول عبارت اس سے ہے اور
نفس ثانی مین کہ اندر کو جاتا ہے اثبات کرتے ہین
اور یہ اشارہ نفخہ ثانی سے ہے ہر آئینہ اون کے دو دم میں
قیامت گذرتی ہے - بلکہ دونون دم ایک ہین کہ نفس
کے باہر آنے مین اپنی خودی کو گم کرتے ہین اور اندر
جاتے ہین اثبات حق کرتے ہین اور سبکو حق دیکھتے

ہیں۔ پس ایک دم عارف کا قیامت کے پچاس ہزار
برس کے برابر ہے اور ایک دم میں تمام قیامت ہے
مگر یہ راز اس کی سمجھ میں آسکتا ہے جو کہ مرتبہ ذات
پر پہونچگیا ہو۔ اگرچہ تمام نیست ہیں اور بجز اس کے کوئی
موجود نہیں ہے۔ مگر کسی کی آنکھہ روشن نہین ہے
اور عالم بالکل سے بے خبر ہین اور کوئی نہیں جانتا۔ پس
جاننا چاہئے کہ قیامت کے معنی یہ ہیں مگر کوئی نہیں
جانتا۔ اور جیسا کہ آدمیون نے اعتقاد کیا ہے اگر
قیامت کے یہ معنی ہوتے تو اللہ تعالیٰ اوس کا وقت
مقرر کر دیتا۔ اگر قیامت ایک واقعہ ہوتا تو خدا کیوں
پنہان کرتا۔ لازم تہا کہ اوس کا وقت مقرر ہوتا پس
جب کہ نہیں وقت فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ تمام نشانیاں
کہ قیامت کی ہیں۔ تمام وجود میں پائی جاتی ہین اور
اسی جگہہ نظر آتے ہین۔ اور اظہار اس راز کا اس
لئے نہین کیا تا کہ قیامت کی ہیبت سے خلق کام مین
لگی رہے اس واسطے نہیں کہا کہ قیامت کو اپنے
وجود میں تلاش کرو اگر رسول اس بات کو کہتے کہ قیامت
کو تلاش کرو وہ تم میں ہی ہے تو اول تو کوئی یقین
نکرتا اور اگر ایمان لے آتے تو پہر شریعت نہ ہوتی
بلکہ حقیقت ظاہر ہو جاتی کیونکہ یہ سب حقیقت ہے
جو کہ بیان کی گئی ہے۔ اگر تمام احوال قیامت کا جو کہہ

مجھکو معلوم ہے بیان کروں تو ہر آئینہ شریعت برہم ہو جاوے اور دوی برطرف ہو جاوے اور سب یکسان ہو جاوین کفر کا نام نہ رہے تمام موحد ہو جاوین مگر کیا کروں زنجیر شریعت پانوین ہے ۔

مثنوی

نیست دستوری و گرنہ ریختی ۔ گرد از دریای راز انگیختی

گر تو بیسم بس قلم ہا بشکنند ۔ ور بگویم بس جگرہا خون شوند

شرح عشق ار من بگویم بر دوام ۔ صد قیامت بگذرد وان ناتمام

زانکہ تاریخ قیامت را حدست ۔ حد کجا انجا کہ وصف ایزدست

بس کنم چون زیرکان این بس بست ۔ بانگ زد گردم اگر در دہ کس است

بس کنم گر این سخن افزون شود ۔ خود جگر چہ بود کہ خارا خون شود

بس کنم چون ہیچ کس را نیست تاب ۔ دیدۂ کور و جہان پر آفتاب

تمام آیات قیامت تو بمطابق توحید کے ظاہر کرتے ہیں وو چیز مانع ہے ایک طوالت کلام دوسرے ملاحظہ صاحب شریعت کا کہ اس نے اخفا میں ایک سر کہا ہے ورنہ یہ برزخ شکستہ ہو جاتا اور شیرین اور شور بلکہ نہ یہ رہتا ہے نہ وہ ۔ اسی طرح سے اگر یہ برزخ اور بندوبست شریعت کا ٹوٹ جاوے کہ جو اس وجود میں ہے دریا الوہیت اور عبودیت کے ایک ہو جاوین نہ یہ رہے نہ وہ ۔

مثنوی

نیست گرد و صورت ما او نیست — حق عیاں بینی بنقش ہر چہ ہست
چوں نماند اندر دل تو شک مبیں — پردہ ما لو تو برخیز از یں
من ندانم من منم یا نیستم — بندہ باری نیستم پس چیستم
من ندانم تو منم یا من توئی — محو گشتم در تو و گم شد دوی

پس جب کہ سالک اس مقام پر پہونچتا ہے دریاے تلخ و شور ایک ہو جاتے ہیں اور اس وقت نہ ذہن رہتا ہے اور نہ دالش نہ کفر نہ اسلام نہ مادر نہ پدر نہ دختر پسر نہ برادر نہ خواہر سب سے مبرا ہو جاتا ہے وجود کو واحد مطلق دیکہتا ہے مقصود ان تمام کلمات سے یہ ہے کہ معلوم ہو جاوے کہ موجود حقیقی حق ہے اور تمام اشیا میں اوس کا ہے ۔ اور احوال قیامت مانع لقاے وحدت نہیں ہے ۔

سوال تیسرا ۔ جب کہ قیامت کی حقیقت یہ ہے کہ بیاں کی گئی تو یہ جنت اور دوزخ مع اپنے درجات اور درکات کے کیا ہیں اور اس کا کیا مطلب ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہینگے اور مومن فاسق تہوڑے دن اور دیدار خدا کا نصیب ہوگا وہ وہاں ملائکہ ہیں اور حور اور قصور اور غلمان ہے اور طوبےٰ اور سدرۃ المنتہیٰ و کوثر و سلسبیل اور

جو کچھہ کہ اہل شرع بیان کرتے ہین - ان تمام کا کیا مطلب ہے
جواب بتیسرا - جاننا چاہیئے کہ دوزخ وبہشت عالم
غیب مین ہے - ظاہر نہین ہے اس لئے ہر گروہ اسکی
صفت مین قول مخالف بیان کرتا ہے - اہل شرع کا اعتقاد
ہے کہ بعد از حساب کتاب مومن بہشت مین جاوینگے
اور ابد الاباد تک اس مین رہینگے اور کافر دوزخ مین
اور بہشت مین نہریان ہین شیر خمر اور عسل پانی کی -
اور ہر درخت کے نیچے نہریان بہینگی اور طوبی ایک ایسا
درخت کہ جنت کی تمام کوٹھریون پر اس کی شاخین
ہونگی اور تمام بہشتی اس کے میوہ کہاوینگے - اور جنت
کے مکان بیشمار ہین اور کمترین مومن کو برابر دنیا
کے مال واسباب اور آرام ومکان دیا جاویگا
اور کافرون کو دوزخ مین طرح بطرح کا عذاب
دیا جاویگا جیسا کہ کتب اہل شرع مین لکہا ہے
اگر تمام بیان کیا جاوے تو یہ کتاب بہت دراز
ہو جاوے گی لہذا اسی قدر پر اکتفا کیا گیا - اور اہل
حکمت کا اعتقاد ہے کہ آسمان کے آٹھون طبقہ آٹھہ
بہشت ہین - اور نوان آسمان کہ فلک الافلاک ہے
افلاک کی چہت ہے کیونکہ وہ محیط ہے اور ہفت اقلیم
کہ ہفت زمین ہے دوزخ کے سات درکے ہین - کیونکہ
جو کچھہ علوی ہے بہشت ہے اور جو کچھہ سفلی ہے دوزخ ہے

اور جو انسان کہ کمال حاصل کرتا ہے اور انسان کامل
کے درجہ پر پہونچ جاتا ہے اس کی روح بعد مرنے کے
آسمان پر جاتی ہے اور قابلیت ہر روح کی کہ موافق ہر
آسمان کے ہے اس کو حاصل ہوتی ہے۔ اور جو روح کہ
کمال حاصل نہیں کرتی ہے وہ زمین کے نیچے رہتی ہے کہ دوزخ
ہے اور ہمیشہ گرفتار رہتی ہے کہ یا اونکے نزدیک
عذاب ہے۔ اور اعتقاد اہل تناسخ کا یعنی اوگون
والون کا یہ ہے کہ افلاک مراتب بہشت ہے ارواح
کمال حاصل کرینگے واسطے افلاک سے زمین پر آتے
ہیں اگر کمال حاصل ہو گیا تو پھر افلاک پر چلی جاتی ہیں۔
اور نہیں آتی ہیں اور اگر کمال حاصل ہوا تو زمین پر رہتی
ہیں اور نسخ اور مسخ و مسخ و رسخ ہوتا رہتا ہے۔ نسخ
یہ ہے کہ پھر انسان ہو جاوے اور مسخ یہ ہے کہ حیوان
ہو جاوے فسخ یہ ہے کہ نبات ہو جاوے اور رسخ یہ ہے
کہ جماد ہو جاوے اور پھر ان مراتب پر عود کرے تا کہ
انسان ہو جاوے پس اگر کمال حاصل کر لیا تو آسمان
پر چلے جاتی ہیں ورنہ بعد از مرگ خاک ہو کر تین سو سا ٹھ
دورہ کرتی ہے اور مرتبہ انسان کامل پر پہونچ جاتی
ہے۔ اور جب کہ کمال حاصل ہو جاتا ہے تو آسمان پر
کہ درجات جنت ہیں پہونچ جاتی ہے۔ وہ اسی
گردش و دورہ میں ابد الاباد تک رہتی ہے اور اسی کا

نام دوزخ ہے اور جو تکلیفین کہ اس پر واقع ہوتی ہین وہ عذاب ہین - اور جب کہ کمال حاصل ہوجاتا ہے تو روح بمقام علیین مین جاکر مقام کرتی ہے یہ عقیدہ اہل تناسخ کا ہے اگر تمام بیان کیا جاوے تو کتاب دراز ہو جاوے - پس جاننا چاہیے کہ جو کچھہ ان لوگون نے اپنی عقل سے بیان کیا ہے تحقیق نہین ہے -

بیت

ہر و ہنر را بادہ زان شد کلید	کز اندازہ خویشتن در تو دید

موحدون کے نزدیک دوزخ عبارت ہے حجاب سے کہ وجہہ باقی سے ہے - اور بہشت عبارت ہے کشف وجہہ باقی ہے - یعنی جو کہ حق سے محجوب ہے دوزخ مین ہے اور جو کہ محجوب نہین ہے وہ جنت مین ہے مصرعہ

وصل جنت ہے صنم نار جدائی تیری

نظم

کسے کو غافل از حق یکزمان است	در آندم کافر است انہان است
اگر آن غافلی پیوستہ بودی	در اسلام بروے بستہ بودی

کیونکہ اگر دوزخ مین دیدار اللہ تعالے کا ہوتا تو کچھہ کچھہ تکلیف دوزخ سے نہوتی - دوزخیون کو اس سبب سے

زیادہ سختی کوئی عذاب نہیں ہے کہ حق کے دیدار سے محجوب رہیں۔ اور اسی طرح اگر بہشت میں رویت حق ہو تو وہ بھی خارستان ہے بہشت میں کوئی نعمت رویت حق سے بہتر نہیں ہے۔ ورنہ جنت بھی جہنم ہو جاوے لے اور ہو اللہ دلوگ معلوم ہو۔

نظم

جنت بروم گر رخ زیباش نعیم	فردوس چہ کار آید اگر یار نباشد
مارا نہ غم دوزخ نہ حرص بہشت است	بردار ز رخ پردہ کہ مشتاق لقایم

پس مقرر ہوا کہ کشف عبارت بہشت سے ہے اور حجاب مراد دوزخ سے ہے۔ کیونکہ اگر حجاب ہوتا تو دوزخ ہوتا اور اگر کشف رویت ہوتی۔ کیونکہ بہشت میں بغیر رویت کھانا اور حریر نہیں ہے۔ اور وہاں جنت میں کھانا اور حریر نہ ہے ہرآئینہ وہ بھی شہوت گاہ ہے شکم پرستوں کے لئے۔ اور شیخ بایزید بسطامی نے کہا ہے کہ اگر میرے دل پر خطرہ دنیا کا گذرتا ہے تو میرا وضو باطنی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور ناپاک ہو جاتا ہوں کیونکہ راحات عقبیٰ ابدی ہیں اور راحات دنیا حادث پس خطرہ عقبیٰ کا حادث ہے اور خطرہ دنیا کا حدث ہے۔

رباعی

دنیا طلبا چہ گو ییمت معذورے + عقبا طلبا چہ گو ییمت مزدورے
مولا طلبا کہ داغ مولا داری + بر ہر دو جہان مظفر و منصورے

پس جو لوگ کہ دنیا مین خدا سے غافل اور محجوب ہین اور شرک کرتے ہین وہ بسبب اپنی حجاب کے دوزخ مین جاتے ہین اور دوزخ مین بھی دیدار سے محجوب ہونگے کہ جو یہان اندھا ہے وہ وہان بھی اندھا ہوگا۔ پس اسی حجاب کا نام دوزخ ہے اور دوزخ مین عین سبب عذاب کا حجاب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حجاب بذاتہ دوزخ ہے اور کہا گیا ہے کہ جو خدا کو یگانگی کے ساتھہ پرستش کرتا ہے اور شرک نہین کرتا ہے ہرآئینہ وہ بہشت مین جاویگا اور روئیت حق سے مشرف ہوگا۔ پس جنت مین پہونچنے کا سبب کشف ہے حق کی روئیت کا۔ اور بہشت مین روئیت حاصل ہونیکا سبب بھی روئیت ہی کیونکہ اگر یہان مکشوف ہوگی تو وہان بھی مکشوف ہوگی اور حجاب نہ ہیگا یہ معنی ہین عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ کے پہچانا اپنے ربکو اپنے رب سے) کیونکہ روئیت سے روئیت ہوئی اور حجاب سے حجاب ہو گیا۔ اور کشف کے سبب سے بھی چند چیز ہین اور حجاب کی بھی چند ہین۔ چنانچہ سبب کے آٹھہ درجے ہین اور ہر درجہ کا نام بہشت ہے۔ اور دوزخ کے بھی سات درکے ہین اور ہر ایک کا نام دوزخ ہے۔ اور دوزخ دروازے سات ہین اور بہشت کے آٹھہ ہین۔ اسیطرح جاننا چاہیے کہ

روح بہشت ہے اولفس دوزخ ہے۔ درجات روح کے درجات بھی آٹھہ ہیں اور لفس کے درکات بھی سات ہین۔ اور سبب حصول درکات روح کہ درہائے بہشت اس سے عبارت ہے آٹھہ ہیں۔ اور سبب حصول درکات لفس کے کہ بجائے دور حکے دروازوں کے ہیں سات ہیں۔ پس جسکو کہ یہ صفات روح حاصل ہیں وہ بہشت میں ہے اور جسکو کہ صفات لفس حاصل ہین وہ دوزخ میں ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ درجات روحکے کہ بہشت ہے آٹھہ ہیں اور اوسکے دروازہ بھی آٹھہ ہیں۔ اور وہ آٹھہ درجات بہشت کے یہ ہیں اول روح جمادی دوم روح جاتی سوئم حیوانی چہارم دلی پنجم روح لسانی ششم روح فلکی ہفتم روح انسانی ہشتم روح قدسی۔ اور اوسکی دراری بھی آٹھہ ہیں۔ اول در معرفت دوئم در توکل سوم در صبر چہارم در تواضع پنجم در سخاوت ششم در حلم ہفتم در حیا ہشتم در توبہ۔ پس جاننا چاہیئے کہ یہ مراتب و درجات اور طبقات اور آٹھہ دروازے بہشت کے ہیں اور مقام رضوان ہے۔ اور عبادت پر استقامت قصور بہشت ہے اور عبادت کی لذتیں اسکے میوہ ہیں اور اخلاق نیک اسکی حوریں اور اقوال نیک فرشتے اور اعمال نیک غلمان اور حکمت اور عدالت وشجاعت وعفت یہ چار نہریں ہیں۔ حکمت جوئی عسل عدالت جوئی شیر

شجاعت جوئے خمر عفت جوئے آب ہے - عقل درخت طوبےٰ ہے کیونکہ طوبےٰ کی صفت یہ ہے کہ جنت کی ہر مکان پر اسکے شاخ ہے اسی طرح سے عقل کی درخت کیے بھی ہر دلمین شاخ ہے اور ہر شخص کو اس سے ارام پہونچتا ہے - اور عشق سدرۃ المنتہیٰ ہے اور علم حوران بہشتی ہین کیونکہ حورون کی یہ صفت ہے کہ جب کوئی اونسے جماع کریگا بکر پاویگا - اور ہر بار لذت تازہ حاصل ہوگی کہ پہلی مرتبہ حاصل نہوئی ہوگی اسیطرح سے جسقدر کہ انسان علم کو بار بار زیادہ پڑہتا ہے معین تازہ اور بیشمار اسپر منکشوف ہوتے ہین پس مراتب علمی بجاے حوران بہشتی ہین اور لذات جمیع آمور نیک واقوال اورافعال پسندیدہ اور لباس ہاے نفیس مین ہے علیٰ ہذا القیاس صفت بہشت بہت ہے - اور وہ سب وجود مین ہے اب بیان دوزخ کے درکات اور اسکے مراتب اور دروازون کو بیان کرتے ہین اور مطابق کرتے ہین جاننا چاہئے کہ دوزخ کے سات درکات ہین اور سات دروازہ ہین - اسی طرح سے یہہ ہفت اندام انسانی مین سات درکات دوزخ کے ہین - اور پانچون حس ظاہری اور شکم والت بھی سات درکہ دوزخ کے ہین اور اسکی سات دروازہ یہ ہین - اول در شرکت دوم در حرص سوم در آز چہارم در تکبر پنجم در بخل ششم

در حیات ہتم۔ رد ر قوت فراہمہ شیطان کا۔ اور نفس امارہ مالک دوزخ ہے۔ اور ریا او رطمع آتش ہے اور حسد و کبر ظلم و ستم و غضب کھانے زقوم ہے شہوت عاریہ دوزخ اور کلفت درخ ان تمام کارہائے فنا و فسق سے میوہ آتشین و تلخ ہے اور یہی سانپ اور بچھو ہے بحیثیت و بحوت گرز ہائے آتشیں ہیں۔ اور رشت خوی تمام لوگوں کے ساتھ فرشتے عذاب کے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام احوال دوزخ وجود میں ہیں۔ اگر بیان کو طول دیں تو کتاب دراز ہو جاوے۔ پس جاننا چاہئے کہ دوزخ بھی انسان میں ہے اور جنت بھی انسان میں ہے۔

مثنوی

ہشت جنت حیثیت اعمال خوش ست	ہفت دوزخ حیثیت اعمال بد
جنت تو صورت اعمال تست	ہر چہ بینی یک بیک احوال تست
گاہ صورت می نماید گاہ نور	گاہ دوزخ گہ جنانست گاہ و...
لالہ و گلہائے ریحان و ثمر	جملہ طاعات او اخلاق حسن
حور و غلمان ملکی او صاف تست	مہر و مہ و جست و قلت صاف نیست
قصر مروارید در ہاے علیین	تا دل بی نور تو آئی مرد دین
جوئے خمر و جوئے آب و جوئے شیر	نیست جز از صاف پاک دلپذیر
آن زمان کہ عکس آید در ستیر	زینہار ای جان من او پر گریز
گر آتش صورت فعل بد تست	روح را خود این علت سرمست

مالک دوزخ قوای النفسی ست	مانع از لذات روح قدسی ست
صورت عدل ست میزان صراط	بر صراط حق گذر با احتیاط
شد عبادتها و طاعات ای پسر	میوه های عذب و شیرین بر شجر
چون بشو د اوصاف و اخلاقت نکو	هشت جنت خود تو ی ای نیک خو
گر گرفتار صفات بد شدی	هم در دوزخ عذاب سرمدی
انچه گفتم ہست از عین الیقین	نه باستدلال و تقلید ست این
راست گو و راست دان و راست بین	راستی کن کج مرو در راه دین
خلق نیکو بهترین طاعات ست	در خلاف نفس جای راحت ست

جبکہ سالک صفات نفسانی سے بصفات جمیلہ موصوف ہو جاتا ہے۔ سلوک اوس کا تمام ہو جاتا ہے اور دیدار حق کو دیکھتا ہے کیونکہ اسکو تحقیق ہو جاتی ہے کہ بجز حق کے کوئی موجود نہین۔ اور جو کہ اس حقیقت پر نہین پہونچتا ہے وہ دوزخ مین ہے۔ کیونکہ عالم حس مین گرفتار ہے اور عالم حس دوزخ ہے۔ اور عالم ارواح اور معقول بہشت ہین۔ اور اگر شاید دلپر یہ خطرہ واقع ہو کہ جب مقرر ہو چکا کہ سواے حق کے کوئی موجود نہین تو پھر یہ تفاوت کسلئے ہے اور دوزخ و بہشت کیون نام رکھا۔ جاننا چاہئے کہ مقصود ہمارا اور کلام اس بارہ مین یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہین ہے مگر وہ وجود بصورت بسیار ظاہر ہوا ہے اور اس کی ہر صورت مین چند صفات ہین۔ اگرچہ وہ بھی عین ذات

ہیں - کیونکہ جو اس وجود کی صفت ہے وہ بہی ذات ہے اور اسم تو وہی ذات ہی اور یک وجود ہمہ صفات ہے -

اشعار

گہ درحش نام شد گہ آفتاب	گاہ بحرش نام شد گاہی سحاب
آں یکے کش صد ہزار آثار ہاست	کمترین آثار او عمر لقاست

ہر آئینہ کفر و اسلام ایمان و ہدایت جو کچھ ہے وہی بحر اس کے موجود نہیں مگر تقسیم اس کی یہ ہیں کہ بیان کی گئیں اور وہ وجود مین واقع ہیں - کیونکہ جو کچھ اس وجود میں ہے باقی ہے اور کوئی جز خالی نہیں ہے - جو کہ نام رکہتا ہے وجود رکہتا ہے اور جو کہ وجود رکہتا ہے نام رکہتا ہے پس کیا وجود نام سے جدا ہوتا ہے ہر آئینہ اسم اور ذات ایک ہے -

بیت

ذات وصفت یکیست بلا ندیشکے	اوصاف واسم ذات ہمہ بار بنگرید

پس معلوم ہو کہ ہر اسم میں مسمی ہے اور ہر مسمی میں اسم ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عین ہیں - اسی طرح سے جاننا چاہیئے کہ یہ بہشت اور دوزخ کہ جکا نام سنا جاتا ہے یہی اسم ہے - اور اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ دوزخ کے نام ہی سے تمام

کو بہشت و دوزخ مین ڈال رکہا ہے - کیونکہ تمام
جہان بہشت و دوزخ کے نام مین گرفتار ہے اور
لاکہہ مین شاید ہی ایسا کوئی ہوتا ہے کہ گرفتار خدا
ہوتا ہے - اور یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ ایک عالم کو
دوزخ مین ڈالونگا پس یہ ہی دوزخ ہے کہ جسکے ڈر
کے مارے خدا سے محجوب ہین اور بہشت کی امید
پہ خوشحال ہین اور دوزخ سے ڈرتے ہین پس یہی
تام دوزخ وبہشت کا عین دوزخ وبہشت ہے -
پس جس کی آنکہہ روشن ہے وہ بہشت و دوزخ کو
ظاہر دیکھتا ہے اور قیامت کو قایم اور خداکو ہمیشہ
دیکھتا ہے - اور غیب کو عین شہادت دیکھتا ہے اور
اور خداکو بہی اس مقام پہ دیکھتا ہے - پس جب
کہ اس وجود مین نگاہ کیجاتی ہے تو ہر جز مین کل اور
کل کے ہر اجزا مین کل مطلق نظر آتا ہے پس وہ لوگ
کہ مرگئے ہین اور وے کہ آدینگے اور نہ آئے ہین
اور جو لوگ کہ ہین اور جو کچہہ کہ غیب و شہادت ہے
اور جو کچہہ کہ فعل و قوہ ہے تمام اس ایک مین دکہائی
دیتے ہین - اور یہ مطلب ہے اسکا کہ قیامت کے
دن ایک لمحہ مین سب تمام آدمی جو کہ مردے ہین زندہ
ہو جاوینگے پس جب کہ کل شے ہیچ کل نظر
آنے لگی تو ازل سے ابد تک جو کچہہ کہ ہے تمام

اس وجود کے ایک ذرہ میں دکھائی دیوے پس جس سالک
کو یہ مقام نصیب ہو جاتا ہے اس پر قیامت بالکل آکر
گذر جاتی ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ وجود ایک سے
زیادہ نہیں اور دوزخ و بہشت اسی وجود میں ہیں
اور جو کچھ ہے یہی ہے۔ اِنّیت مطلق ہے یا شہادت
مطلق ہے۔ اور یہ دو چیزیں کبھی جمع نہیں ہوتے مگر نقطہ
میں فرق ہے۔ نقل ہے کہ ایکدن پیغمبر رسالت پناہ
مرتضیٰ علی کو تلقین باطنی فرماتے تھے دریافت کیا
کہ تمکو عالم کیا معلوم ہوتا ہے کہا کہ اشیاء کو سوائے
حق کے دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس سے ترقی کرلی
چاہیئے پھر بعد از چند یوم فرمایا کہ اب کس طور تمکو عالم دکھائی
دیتا ہے کہا کہ اشیاء قرب خدا نظر آتی ہیں فرمایا ابھی
ترقی کرلی چاہیئے پھر بعد از چند روز دریافت کیا کہ اب
کس طرح معلوم ہوتا ہے کہا کہ اشیاء کو ذات حق میں
دیکھتا ہوں۔ فرمایا ابھی عروج درکار ہے پھر ایکدن
فرمایا کہ اب کیا نظر آتا ہے۔ کہا کہ اشیاء کو خدا کے
ساتھ دیکھتا ہوں۔ فرمایا ابھی ترقی کرلی چاہیئے
بعد از مدت پھر دریافت کیا کہ اب کیا حال ہے کہا کہ
خدا کے اشیاء کو نہیں دیکھتا ہوں پس آپ نے فرمایا
کہ اب تمہارا کام ختم ہوگیا اور اپنی کنار مبارک میں لیا
اور فرمایا۔ تیرا لحم میرا لحم ہے اور تیرا جسم میرا جسم ہے۔

اور تیرا خون میرا خون ہے اور تیرا قلب میرا قلب
ہے اور تیرا نفس میرا نفس ہے اور تیری روح میری
روح ہے اور مین تو ہون اور تو مین ہے پس
دیکھنا چاہیئے کہ یہ وجود وہی ہے مگر نظر مین متفرق ہے
پس جس قدر کہ سالک ترقی کرتا ہے شئے دیگر نظر آتی
ہے - اور خدا کو قریب تر دیکھتا ہے - پس بعض وجود
کو محسوس دیکھتے ہے اور بعض غیر محسوس اور بعض خدا
کے ساتھ اشیا کو دیکھتے ہین اور بعض خدا کو ان مین
دیکھتے ہین - اور بعض تمام اس وجود کو اللہ دیکھتے ہین
پس وجود مین کچھ تفاوت نہین ہے نظر مین فرق
ہے - پس جنکو کہ ذات بحت منظور ہے اُنکے نزدیک
نہ تعین بہشت ہے نہ دوزخ ہے نہ عرش نہ کرسی علی
ہٰذا القیاس وجود کے تمام تعینات مرتفع ہین - اور
جو کہ دو وجود کہتے ہین وے سب کے نام رکھتے ہین
اور اُنکی نزدیک سب اشیا جدا ہین - مگر جو شخص کہ
کہ اس بات کا طالب ہے البتہ بلا حجاب وحدت حقیقی کو
دیکھیگا - اسی واسطے تمام چیز کو تمام چیز مین ظاہر کردیا
پس جاننا چاہیئے - کہ عالم کے ایک ذرہ مین تمام عالم
ہے - اور عالم کے تمام ذرات مین قیاس کرنا چاہیئے کہ
وجود کسقدر بیحد و بے نہایت ہے اور قوت اور فعل
کو اسطرح دیکھنا چاہیئے کہ جو کچھ بالقوہ ہے وہی

بالفعل ہے اور جو کچھ بالفعل ہے وہی بالقوہ ہے
اور اگر حقیقت میں دیکھا جاوے تو بہشت و دوزخ
کا سوائے نام کے نشان نہیں ہے اور نام عالم کے
مصلحت کے واسطے ہے۔ ورنہ کون دوزخ میں گیا
اور کون بہشت میں ایک وجود ہے کہ موجود ہے اور
صد ہزار اضداد کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ اگر بہشت میں
کوئی صفت اور صورت اور نمود ہے تو اس وجود
میں سے ہے کہ بیحد و بے انتہا ہے۔ بمعنی دیگر ہم اس
معنی کو بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے سمجھ میں
آجاوے۔ جاننا چاہیئے کہ وجود ایک ہے اور وجود
انبیا و اولیا اور مرشدان کامل کا عین حقیقت ہے جب
انسان سب کو عین اپنا دیکھتا ہے اور غیراز خود کو
معدوم۔ بلکہ دیکھتا ہے کہ خود بصورت تعینات ظاہر
ہوا ہے اور تمام عالم کو لاتعین اور تعین کہتا ہے برائیہ
شفاعت تمام عالم یہی ہے۔ جب کہ تمام آدمی کو عین
اپنا دیکھتا ہے سب کی تربیت کو فرض جانتا ہے کیونکہ
وجود کی تربیت سب پر لازم ہے۔ پس بروجہ الست
اپنی کو تعلیم کی کیونکہ خودکو بصورت و صفت بسیار دیکھا
کہ ہر شے کی خاصیت ہے کہ ہرگز اس سے جدا نہیں
ہوتی۔ بہت سے اشیا بطرف لاتعین کے اور بہت سی
جانب تعین کھینچتی ہیں۔ بعضی حد اعتدال پر ہیں اور

بعضے مین افراط و تفریط پائی جاتی ہین ہے کیونکہ ہر شخص
کے لئے یہ محال نظر آتا ہے کہ حقیقت اشیا کو کماہی دیکھ
اور دریافت کر سکے۔ اسی لئے پردہ رکھا ہے کیونکہ اگر
اس طرح کہا جاتا کہ زنا کرنا و شراب پینا بُرا ہے
آدمی کو صفائے روحانی سے روکتا ہے تو کوئی شخص
اس کو معتبر نہ جانتا۔ پس واسطے ترس دلانے کے کہا
گیا کہ جو کہ ایسا کام کرے گا دوزخ مین ڈالا جاویگا
اور عذاب دیا جاویگا۔ پس اس خوف کے مارے
ترک کیا۔ اور اگر یہ کہا جاتا کہ عبادت و ریاضت صفت
نیک ہین اس سے صفائی باطنی حاصل ہوئے کوئی
تعین نکرتا اس لئے کہا گیا کہ جو کہ عبادت کریگا بہشت
مین جاویگا اور جب دیکھا گیا کہ آدمیون کی طبیعت
خوراک و لباس کیطرف بہت مایل ہے اور سب کا
مطلوب یہی ہے تو بیان کیا کہ جنت مین حور و قصور اور
اور میوہ اور گوشت اور حورین ہین۔ اور شراب
اور خمر و شیر و جوئے آب وغیرہ ہین یہ سب دی جاوینگی
پس اس کی خاطر سب عبادت کرتے ہین۔ اسیطرح
سے سب کے واسطے بہشت کی تعریف کی تاکہ فریفتہ
ہوکر اصلاح پر آجاوین اور دوزخ کی بُرائی کی
کہ اس مین ایسے ایسے عذاب ہین اور فی الحقیقت
وہ سب خاصیتین انسان کی ہین اور آدمی خیال

کرتے ہیں کہ ۔ دوزخ ایک جگہہ کا نام ہے ہر آئینہ انسان
کی خاصیت کا نام ہے ۔ ورنہ دوزخ اور جنت کا
مقام نہیں اور اگر یہ کہا جاتا کہ تمام عمل اور افعال کی
خاصیت ہیں کہ وجود مین ٹہرتی ہیں اور جو کچھ ہے سکو
مرکر دیکھیتے ہیں ۔ پس کوئی تعین نکرنا ۔ اسلئے کہا گیا
کہ تم سے حساب لیا جاویگا اور انبیا نے اس امر پر دلیل
وحجت قایم کی اور قسم کہائی کہ اللہ تعالے اس طرح
فرماتا ہے ہر آئینہ یہ کہا راست تہا کیونکہ خود ہی تہا ۔
اور معجزات دکہلاے کہ ایسا ہی تعین کرو کہ کون ایسا ہے
کہ اس کو کرسکے اسمیں ایک سنہ قایم کی ہے کہ ہمیشہ
تک رہیگی اور رخنہ کو اسمیں راہ نہیں اور اسی وجود
کی مصلحت دریافت کرکے جس روش پر کہ اس
کی صلاح تہی کام فرمایا اور شریعت میں جو کچھ امر
نہی کیا ہے وہ سب بر حق ہے ۔ مگر نہ اسطور کہ جیسا لوگوں
نے سمجہا ۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اونہوں نے دروغ کہا
تو جواب اسکا یہ ہے کہ دروغ اور راست کی نسبت
تو ہمارے تمہارے ساتہہ ہے جبکہ وہ عین حق ہے
اور خلق میں وہی ہے تو پس دروغ کسلئے ہے ۔ اسی
سبب سے کہا گیا ہے کہ دروغ مصلحت آمیز راستی
فتنہ انگیز سے بہتر ہے ہر آئینہ یہ دروغ نہین ہے بلکہ راست
ہے مگر یہ بات پیچ و تاب میں کوئی سمجہہ نہیں سکتا بجز اس کے

جسکو قابلیت فطری حاصل ہو۔

مثنوی

گفت پیغمبر صباحے زید را ۔۔۔ کیف اصبحت ای رفیق با صفا

گفت عبداً مومنا باز اوش گفت ۔۔۔ کو نشان از باغ ایمان گر شگفت

گفت تشنه بوده‌ام من روزها ۔۔۔ شب نخفتستم ز عشق و سوزها

تا ز روز و شب جدا گردم چنان ۔۔۔ که ز اسپر بگذرد نوک سنان

که از آن سو جمله ملت یکیست ۔۔۔ صد هزاران سال یکساعت یکیست

هست ازل را و ابد را اتحاد ۔۔۔ عقل را ره نیست سو ز افتقاد

گفت ازین ره کو ره آوردی بیار ۔۔۔ در خور فهم و عقول این دیار

گفت خلقان چون ببینند آسمان ۔۔۔ من ببینم عرش را با عرشیان

هشت جنت هفت دوزخ پیش من ۔۔۔ هست پیدا همچو بت پیش شمن

یک بیک وا می‌شناسم خلق را ۔۔۔ همچو گندم من ز جو در آسیا

که بهشتی کیست و بیگانه کیست ۔۔۔ پیش من پیدا چو مار و ماهی است

این زمان پیدا شده بر این گروه ۔۔۔ یوم تبیض و تسود وجوه

پیش ازین هر چند جان پر عیب بود ۔۔۔ در رحم بود و ز خلقان غیب بود

الشقی من شقی فی بطن ام ۔۔۔ من سمات الله یعرف حالهم

تن چو مادر طفل جان را حامله ۔۔۔ مرگ درد زادنست و زلزله

جمله جانهای گذشته منتظر ۔۔۔ تا چگونه زاید این جان بطر

زنگیان گویند خود از ماست او ۔۔۔ رومیان گویند بس زیباست او

چون بزاید در جهان جان وجود ۔۔۔ پس نماند اختلاف بیض و سود

گر بود زنگی برندش زنگیان | رومی را رومی برند هم از میان
تا ترا اشکالات عالم است | که نداند و نشناسد او کم است
او مگر ینظر بنور الله بود | کاندرون پوست او را ره بود
اصل آبی نطفه اسپیدست و خوش | لیک عکس جان رومی و حبش
می دهد رنگ احسن التقویم را | تا باسفل می برد آن نیم را
یوم تبیض وتسود وجوه | ترک و هندو شهره گردد زان گروه
در رحم پیدا نه گردد هندو ترک | چونکه زاید بیندش زار و سترگ
جمله را چون روز رستاخیز من | فاش می بینم عیان از مرد و زن
من بگویم یا فرو بندم نفس | لب گزیدش مصطفی خاموش بس
باز گفتا گر بگویم سر حشر | در جهان پیدا کنم امروز نشر
هل مرا تا پرده‌ها را بر درم | تا چو خورشیدی بتابد گوهرم
تا کسوف آید ز من خورشید را | تا نمایم نخل را و بید را
وا گشایم هفت سوراخ نفاق | در ضیای ماه بی خسف و محاق
وا نمایم من پلاس اشقیا | بشنوانم کوس و طبل انبیا
دوزخ و جنات و برزخ در میان | پیش چشم کافران آرم عیان
وا نمایم حوض کوثر را بجوش | کاب بر روشان زند بانگش بگوش
وان کسان که تشنه گردش می دوند | یک بیک وا نمایم تا کیند
می بساید دوششان بر دوش من | نعره‌هاشان می رسد در گوش من
اهل جنت پیش چشمم ز اختیار | در کشیده یکدگر را در کنار
دست یکدیگر زیارت می کنند | وز لبان هم بوسه غارت می کنند
کر شد این گوشم ز بانگ آه آه | از خسان و نعره وا حسرتا

این اشارت هاست گویم از لقول	لیک می‌ترسم ز آزار رسول
هم چنین می گفت سرمست خراب	داو پیغمبر گریبانش شتاب
گفت بین درکش که اسپا گرم شد	عکس حق لا یستحی او شرم شد
آئینه تو چیست بیرون از غلاف	آئینه و میزان کجا گوید خلاف

پس اگر حقیقت وہ دوزخ و بہشت کی یہ ہوئی تو لازم
تہا کہ قیامت کا زمانہ مقرر ہوتا اگر سب کو اظہار کرون
تو فساد ہوگا۔ فرض کیا کہ علم قیامت کا خدا اُسکے پاس
ہے تو پہر خدا نے کیون نہ کہا اس مین کیا حکمت تہی کہ
پوشیدہ رکہا گیا آدمیون کا خوف تہا پہر کیون نہ ظاہر مین
پیدا کیا کہ سب لوگ دیکہتے اور امید و ترس ہوتا۔
تو کیا خدا عاجز تہا۔ معاذ اللہ۔ خدا قادر مطلق ہے
اور کیا حکمت تہی کہ خدا نے انبیا کو بہیجا اور خو
حاضر نہوا اور نہ کہا کہ مین نے تم کو پیدا کیا
اور اس مین کیا حکمت تہی کہ تمام کی فنا لازم کی
اور وعدہ قیامت کا کیا اور اگر ہمکو اسنے پہچان نے
کے واسطے پیدا کیا ہے تو پہر موت کس واسطے دی
اور کس واسطے کافرون کے واسطے دوزخ اور
بہشت نیکون کے واسطے ہے اور اگر یہ کہا جاوی
کہ مومن ایمان دار ہوتا ہے اور کافر بے ایمان اور
تو مومن کو ایمان اور کافر کو کفر کس نے دیا اور
بہشت و دوزخ کیون پیدا کی۔ اور کسلئی ایک کے

لئے ثواب اور ایک کے لئے عذاب رکہا۔ جبکہ دونوں
کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ اور ابلیس نے کس سے
بندگی کی اور ملعون ہو گیا اور آدم نے گناہ کیا اور
مقبول ہوا۔ ابلیس کو شیطان کس نے بنایا آدم کو شہوت
کس نے دی۔ اور ہوا و حرص کس نے پیدا کی۔ اور
پہر سوال و جواب کس کے ساتہہ ہوگا۔ اور اگر سوال
کرنیوالا ہمارے حال سے جاہل ہے تو خدا کے لائق
نہین اور اگر عالم ہے تو سوال کی حاجت نہین جسکو
لائق جانتا ویسا کرتا کون تہا کہ اسکو منع کر سکے۔
کیونکہ اب بہی کوئی فقیر ہے کوئی امیر ہے کوئی
تندرست ہے کوئی بیمار ہے مگر کوئی خدا سے نہین
لڑتا ہے اور نہ طعنہ دیتا ہے کہ خدا نے اسکو کیوں
ایسا بنایا۔ پس اسوقت بہی اگر مدیت ہوتی تو
کون اس سے پوچہتا اور اگر وہ نیکی سے راضی
تہا اور بدی سے ناخوش تو پہر کس لئے شہوت
کو پیدا کیا کہ اوس سے انسان نے گناہ کیا۔ اور
اور کافرون کو اوس نے ایمان نہ دیا اور مومنون
کو کیون دیا اور وہ خود کیون ظاہر نہین ہوتا
ہے۔ اور اس نے شیطان کو خود کیون پیدا
کیا اس کی کیا حاجت تہی کیا خلقت سے عاجز
ہو گیا تہا پہلی ہی سے خلقت کو چہوڑنا نہیں چاہئے

تہا کہ گمراہ ہو جاتی - اور نبی کی کوئی ضرورت نہ تہی
اور خود اس نے خلقت کو اپنی شناخت کے واسطے
پیدا کیا تہا پہر سب کو عارف کیون نہ بنایا - اور پردہ
کہان ہے کس لئے غایب ہے - اور بیچون اور
بیچگون کس لئے ہے اور جب اسمین قدرت تہی تو کافرون
کو کیون چہوڑا کہ کفر مین پہنسے رہے اگر کہا جاوے
کہ دوزخ پر کرنیکے واسطے تو اسکو کیا حاجت تہی کہ دوزخ
اور بہشت کو پر کرے - اور خدا کو خلقت کے ساتھہ
حاجت ہے یا نہین - اگر حاجت ہے تو زندہ کو مردہ کیون
بناتا ہے اور اگر حاجت نہین ہے تو پہر کیون بنایا
اور کس طرح خدا تمام کا عالم ہے اور ایک وقت
مین تمام عالم سے کس طرح خبردار ہے اور کس لئے
آدمی کو محتاج آب و نان پیدا کیا کہ سب اس سے
غافل ہو گئے اور کس لئے آدمی کو قدرت نہین ہے
کہ تمام آسمانون کو آشکارا دیکہے - اور زمین کے نیچے
نگاہ کرے - اور آسمان کس لئے گردش کرتا ہے اور
اور زمین کس لئے ساکن ہے اور یہ روز و شب
آفتاب ماہتاب کس لئے ہے اور خواب و بیداری
کیا ہے - اور مرد کے لڑکا کیون نہین پیدا ہوتا اور عورت
دودہ کیون دیتی ہے - اور نطفہ ایک ہی ہے پہر
کبہی لڑکا اور کبہی لڑکی کیون پیدا ہوتی ہے - اور

اکو رزق اور عقل کوں دیتا ہے اور جب وہ کریم
ہے تو یہہ سب کو برابر حصہ کیوں نہ دیا - اور مجھکو
ان باتوں کی قوت کس نے دی اگر اُس نے دی تو
حکمت ہے اور اگر اس نے نہیں دی تو یہہ کیا ہے
دے - تو اسوقت خدا دیکھتا تھا یا نہ دیکھتا تھا - اگر دیکھتا
تھا تو اس نے کیوں رہا کہ اس کے خلاف مرضی
بات کروں کیوں کہ جس چیز میں کہ رضائے خدا
نہیں ہوتی ہے ہرگز موجود نہیں ہوتی ہے اور جب
کہ اس کی رضا سے کیا تو ہر البتہ اس نے کہا - کیوں
کہ مجھے زبان اور ہاتھہ اور جسم و حیات کس نے دی
اگر اُس نے دی تو ہاتھہ سے لکھتا ہوں اور آنکھہ سے
دیکھتا ہوں جان سے زندہ ہوں پس اگر یہ چیز مجھہ
میں نہ ہوتی تو ہرگز لکھنا میسر نہ آتا - اور اگر خدا اس
بات پر کہ میں نے لکھی ہے راضی نہوتا تو ہرگز مجھے
اُس کے لکھنے کی توفیق نہ دیتا - اور دل سے محو کر دیتا
پس مقرر ہوا کہ حق اُس بات سے عالم ہے اور ر
اضی ہے اور جس چیز میں کہ وہ راضی نہیں ہوتا
ہرگز موجود نہیں ہوتی ہے - جو کچھہ موجود ہے وہ رضائے
خدا ہے پس جو کچھہ ہے خود کرتا ہے بد بھی کرتا ہے نیک بھی کرتا
خلق پر بہانہ ہے اور بد کیا ہے جو کچھہ ہے سب
نیک ہے اور بد کا سوائے نام کے کچھہ وجود نہیں ہے

کیونکہ سب اوس کا کام ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔

رباعی

صیاد ازل چو دانہ در دام نہاد	مرغی بگرفت وادمش نام نہاد
ہر نیک و بدے کہ میرود در عالم	خود میکند و بہانہ بر عام نہاد

اور اگر یہ کہا جاوے کہ شیطان کی بدی آدمی کی ذات مین رکھتا ہے اور اس کے کہنے اور خواہش کے موافق انسان بدی کرتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ شیطان شریک خدا تعالے ہے کہ اس کا ارادہ بھی خدا کے ملک مین ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب کہ شیطان چاہتا ہے کہ کوئی کام عالم مین کرے تو خدا اسکام سے عالم ہے یا نہین۔ پس یہ کام خدا کے علم سے واقع ہوا ہے ہر آئینہ حق اس سے راضی ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً ایک خواجہ ہے کہ اسکا ایک نوکر ہے اور وہ نوکر خواجہ کی بی بی کو یا اوس کے لڑکون کو گمراہ کرتا ہے۔ یا اُس کی بی بی کے ساتھہ زنا کرتا ہے اور خواجہ اس کام سے عالم ہے اور دیکھہ رہا ہے اور خواجہ کو قدرت ہے کہ زن کو مار سکتا ہے یا غلام کو مار سکتا ہے اور باوجود علم و قدرت کے کچھہ نہین کہتا ہے۔ تو پھر اس خواجہ کو دیوث کہین یا بے حمیت یا بے عزت۔ اور غلام

خواجہ کا مال ہے اور بی بی خواجہ کی اس پر حرام
ہے اور صندوقچہ فقط خواجہ کے واسطے ہے۔ اور جب کہ
زن خواجہ غلام کے پاس ہے تو اس کو خواجہ کے ساتھ
ہرگز میل ہوگا اور اگر خواجہ روادار اس امر کا ہے
تو اس سے خواجہ کی حماقت ظاہر ہوتی ہے۔ پس اسی
طرح سے جاننا چاہئے کہ شیطان بھی خدا کا بندہ ہے
اور انسان بھی خدا کا بندہ ہے انسان کو خاص اپنے واسطے
بنایا ہے اور فرمایا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا
لِیَعْبُدُوْنِ اَیْ لِیَعْرِفُوْنِ۔ یعنی نہیں پیدا کیا میں
نے جن اور انسان کو مگر اس لئے کہ عبادت کریں
یعنی معرفت حاصل کریں پس جب کہ انسان کو محض
واسطے عبادت اور اپنی شناخت کے بنایا تھا تو یہ شیطان
آدمی کو کیوں گمراہ کرتا ہے اور شہوت ولذت وحرص
وہوا وغضب کی ترغیب دیتا ہے۔ پس انسان جبکہ
دنیا میں مشغول ہوگیا۔ اور ان چیزوں میں گرفتار
ہوا پھر آئینۂ معرفت حق سے باز رہا اور اس طرح سے
مقصود حق کا حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ انسان سے
مقصود حق معرفت تھی اور جب کہ شیطان نے گمراہ
کیا تو انسان معرفت سے باز رہا۔ اور غیر خدا کے ساتھ
مشغول ہوگیا تو ایسا ہے کہ خدا تعالے کے ساتھ ضد
کی اور اس کی حکم اور خواہش کو رد کردیا کیونکہ

اس کی خواہش یہ تھی کہ انسان عارف بحق ہو جاوے
اور جب ابلیس نے گمراہ کر دیا خواہش حق کو رد کر دیا
تو اس سے لازم آتا ہے کہ شیطان خدا پر غالب ہے
کیونکہ کسی کی خواہش کو بلا غلبہ کے کوئی رد نہیں کر سکتا
اگر خدا غالب ہوتا تو اس کی خواہش ہوتی اور جب
اسکی خواہش نہ ہوئی تو لازم آیا کہ مغلوب ہے اور یہ
محال ہے کہ بندہ خواجہ پر غالب ہو جاوے پس کس واسطے
ابلیس نے انسان کو گمراہ کیا کیونکہ وہ مخلوق خدا ہے
اور انسان کو محض اپنی شناخت کے واسطے پیدا کیا
ہے پس کس طرح ابلیس رد کر سکتا ہے پس اس
سے یہ لازم آتا ہے کہ یا تو خدا کو عاجز جانو یا شیطان
کو۔ اور فاعل مطلق حق کو جانو اور جو کام کرے اسکا
جانو۔ اور جو بات کرے اسکی بات جانو اور
جو صورت کرے اسکی صورت جانو۔ اور بجز اس
کے کسی کو موجود نجانو۔ اور جب کہ اسی جگہہ فاعل
مطلق وہی ہے تو پھر اوس جگہہ سوال و جواب
بہشت و دوزخ کیا ہیں اگر یہ کہا جاوے کہ ہم فرمودہ
خدا بیان کرتے ہیں کہ تو یہ ہم کو بھی معلوم ہے کہ گفتہ خدا
لیا ہے مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ ان اشیا سے
تم واقف ہو کہ نہیں۔ اور اسکے معنی تمہاری سمجھ
میں آئے یا نہیں۔ اور اسکی حکمت سے واقف ہو

یا نہین۔ اگر واقف ہو تو اسکا جواب دو وگرنہ اقرار کرو جو کچھ کہ ہم کہتے ہین۔ کہ ہستی تمام کی حق کے لئے ہے اور بجز حق کوئی موجود نہیں ہے۔ اور وہ خود بصورت اشیا ہے اور اگر یہ اعتقاد نہین ہے تو پھر ہمارے سوالون کے جواب دو کہ ان سب کے کیا معنی۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ ہم حکمت خدا سے آگاہ نہیں ہین اور نہ یہ طاقت ہے کہ اس کے کام مین چون و چرا کریں کیونکہ اسنے فرمایا ہے لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ یعنی اس کے فعل سے سوال نہین کیا جاتا۔ ہم اس کی حکمت سے واقف نہین ہین حکمت اس کی وہ جان سکتا ہے کہ جسکی صورت ہو نہ شکل نہ چون نہ چگونہ نہ ماند نہ نشان نہ جو معقول ہے نہ محسوس نہ آسمان میں ہے نہ زمیں نہ عرش مین نہ کرسی نہ ہوا میں نہ دریا نہ آگ مین نہ خاک میں نہ دور میں نہ حسب میں نہ تحت مین نہ فوق عرش میں نہ اس کے جسم نہ مثال اور تمام کیفیت سے منزہ اور با وجود اس کی مکان اسکا معلوم نہیں کہ کہاں ہے بلکہ اصلا مکان نہیں رکھتا ہے۔ اور کس طرح تجھہ سے نزدیکی رکھتا ہے۔ اور وہ تجھکو دیکھتا ہے اور تو اوسکو نہیں دیکھتا ہے۔ اور تو نہیں جانتا ہے کہ وہ کسطرح تجھے دیکھتا ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور فاعل مطلق وہی ہے اور تو

گنہگار ہے تو دوزخ مین جاویگا اور کچھ اس کی
حکمت سے آگاہ نہین ہے کہ ایسا کیون ہوا اور نہ
اس سے تو پوچھہ سکتا ہے اور نہ وہ تیرے سامنے ہے
کہ تو اس کی عبادت کرے اور نہ تو جانتا ہے کہ
وہ کہان ہے اور کس ذات کی عبادت کرتا ہے
پس بیان کرو اے منکر عقلمند و پریشان پاک
نفس کہ تو نے کونسا علم پڑہا ہے اور کیا معرفت حاصل
کی ہے اور اپنے تئین عالم و دانشمند گردانتا ہے
اور نہ کچھہ علم کی خبر ہے نہ دانش کا اثر کیون کہ دانش
کی چیزین یہ ہین کہ جو مین نے دریافت کی ہین - اور تو
نے ہنوز تجہے علم حرص و نقل میراث جد وغیرہ کے افسوس
صد افسوس کہ کچھہ بہی نہ حاصل کیا - ابہی کنارے
پر ہے اور اپنے اوپر تجہے خندہ نہین آتا ہے آپنی
دانش کو اپنا پردہ بنا رکہا ہے -

بیت

ریش خود دستار خوان اہ کن	دست خود از ریش خود کوتاہ کن

یہان پر ریش مراد ہستی سے ہے پس جو کچھہ کہ ہم
کہا ہے اس مین فکر کرنے چاہئے - کہ کیا معاملہ ہے
اور کیا حکمت ہے - اور اس اعتبار سے کہ تمہارا
خیال ہے نہ تم نے دوزخ کو جانا - اور نہ جنت کو اور

نہ خدا کو نہ رسول کو نہ یاد میرے سوال کا جواب دو ورنہ جو کچھ میں کہتا ہوں قبول کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس وجود کی حقیقت کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے مگر اس عبارت سے کہ جس میں نے بیان کی ہے کہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے ہمہ اوست۔ دوزخ وبہشت مصلحت کی بات ہے اور اگر ہیں تو اسی وجود میں ہیں۔ اور اس وجود کی صفات میں سے ایک صفت ہیں۔ اور خاصیت اس وجود کی ایسی ہی واقع ہوئی ہے۔ اور بات وہی ہے کہ او پر سے بیان کی گئی ہے۔ اور اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی مگر اسی روش سے کہ یہ وجود قایم بہ یکدگر ہے اور جو کچھ ہے میں اس وجود کا ہے اور سوائے اوکی اس وجود میں کچھ موجود نہیں ہے دوزخ وبہشت حجاب راہ سالک ہے۔

مثنوی

تا بہشت و دوزخت در رہ بود
گر ترا مشغول خلد و حور کرد
حق تعالیٰ گفت یاد او پاک
کہ نہ دوزخ نہ بہشت آسی مرا
اس چو استحقاق دارم آں عظیم

جان تو زین راز کے آگہ بود
تو یقین میدان ز حق مہجور کرد
سد گاہم را نگو ای مشت خاک
سد گی کردن نہ زہ ہستی ترا
چون پرستیدم بآں امیدو بیم

حق را بامید و بیم خوانی		ہیہات لعاشقان چه مانی

سر آئینہ جاننا چاہیئے کہ تمام آدمی خدا کو بواسطہ دوزخ
بہشت پوجتے ہین اگر دوزخ کا خوف اور جنت کی
امید ہوتی تو کوئی خدا کو نہ پوجتا اور بندگی کا شوق
نہ ہوتا۔ جب دیکھا کہ روح گرفتار جسم ہو کر عاشق
ہوئی اور مبتلا کھانے اور شہوت کی ہوئی اور نہین
چاہتے کہ وجود کو گزند پہونچے چاہتے ہے کہ ہمیشہ سلامت
رہے سر آئینہ یہ سب حجاب اسکے ہو گئے ہین اور اپنی
اصلی صفا سے باز رہے۔ پس دیکھا کہ وہ عروج
نہین کر سکتی مگر جب تک کہ ان تمام صفات سے
گذر جاوے۔ پس وعدہ کیا کہ بہشت مین عمدہ
عمدہ کھانے اور میوے عمدہ اور حوران محبوب
بہت ہین جو کہ دنیا مین ان خواہشون کو ترک
کریگا اسکو بہشت مین اسقدر ہم عطا کرینگے یہ معلوم
ہے کہ حیات دنیا چند روزہ ہے اور حیات آخرت
ابدی ہے۔ اور دنیا کی زندگی مین خدا کو پہچان
سکتی ہین اور جو دنیا مین شہوت و لذت مین گرفتار
ہو جاویگا وجود کی حقیقت کو نہ پہچانیگا۔ پس دنیا
کی خواہشون کو بامید راحت آخرت ترک کیا
اور سبب مشاہدہ مین مشغول ہوئے حقیقت معلوم
کی کہ کیا ہے اور خاموش ہو گئے اور حقیقت

پر آگاہ ہو گئے کہ کیا ہے اور کیا تہی۔ بعض نے ترس دوزخ سے ترک دنیا کرکے فایدہ اعتبار کیا اور بعض نے امید راحت عقبیٰ کے عیش ترک کیا ہر آئینہ تمام عالم اس حجاب کے سے پردہ میں ہے۔ شیخ احمد غزالی فرماتا ہے کہ یہاں بہی کہا پینا ہے اور اسجگہہ بہی کہانا پینا ہے۔ حاشا میں یہ نہیں چاہتا۔ یہاں بہی محبت اور وہان بہی محبت حیف کہ میں ایسی وہم مین گرفتار ہوں اور نقد کو چہوڑ کر ادہار پر ملتبہ رہون۔ اگر ان کو جلوہ ذات نظر آجاوے تو معلوم ہو کہ بہشت و دوزخ کیا وہم ہے۔ اور معلوم ہو جاوے کہ ان کو عشق سایہ کا ہے نہ کہ شخص کا اس کو جیتے جی پر برار افسوس آگاہ ہونا چاہئے اور خواب غفلت سی بیدار ہونا چاہئے کہ یہ دام و دانہ ہے تاکہ ہم سب گرفتار حق ہو جاویں۔ اگر یہ نہوتے تو کوئی گرفتار حق ہوتا۔ اور نہ اسکی طلب کرتا اور نہ معتقد پر ہوتا ابتدا مین بواسطہ بہشت و دوزخ اس کے گرفتار ہوئے اور جب طلب کامل پر پہونچے دوزخ اور بہشت کو فراموش کر دیا۔ اور اون کا وجود پنہاں ہو گیا اور دل خدا کے ساتہہ مل گیا۔ اور ہستی طالب خدا ہو گئی کیونکہ سب وہی ہے۔ کما قال مولانائے۔

مثنوی

ما بدینجا بهر دیدار آمدیم — چون رسیدم مست دیدار آمدیم
بهر نان شخصی سوی نانبا دوید — داد جان چون حسن نانبا بدید
بهر فرحت شد یکی با گلستان — فرحت او شد جمال باغبان
همچو اعرابی که آب از چه کشید — آبحیوان از رخ یوسف بدید
رفت موسی کاتشی آرد بدست — آتشی دید او که از آتش برست
جست عیسی تا رهد از دشمنان — بردش آن جستن بچارم آسمان
همچو آن ابله که تاب آفتاب — دید دیواری و حیران شد شتاب
عاشق دیوار شد که این ضیا باست — بیخبر کان عکس خورشید سماست
چون باصل خویش پیوست آن ضیا — دید دیواری سیه مانده بجا
همچو صیادی که گیرد سایهٔ — سایهٔ کی گردد او را سرمایهٔ
سایهٔ مرغی گرفته مرد سخت — مرغ حیران گشت بر شاخ درخت
کین مرقعه هر که می خندد عجب — انیست نادر هست پوشیده عجب
گر تو گوئی جزو پیوسته کل هست — خار بخور خار پیوسته گل هست

پس جاننا چاہیے کہ اس سی زیادہ و اصح ہم نہین کہہ سکتے

مثنوی

گر بگویم آنچه دارم در درون — بس جگرها گردد اندر حال خون
گر نویسم بس قلم ها بشکنند — ور بگویم پس جگرها خون کنند
بس کنم گر این سخن افزون شود — خود جگر چه بود که خارا خون شود

پس کسم چوں ہیچ کس را نیست تاب	دیدہا کور و جہان پر آفتاب
پس کسم چوں کس ندارد حوصلہ	حملہ سے ترسی شوند و بے گلہ
نیست دستوری وگرنہ ریختی	گرد از دریای را رانگیختی
نیست دستوری وگرنہ گفتمی	یک زمان بر جوشش آشفتمی
ہیچ کس کافر نماند اندر جہان	جملگی مومن شدندی بی گمان
پس کسم دلیر درآمد در خطاب	گوش کن واللہ اعلم بالصواب

پس جب کہ معلوم ہو گیا کہ حقیقت قیامت و بہشت و دوزخ کے اور عقاب و ثواب کے کیا ہے اور کس طرح ہے دانش عقلی تمام ہوئی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ رد کثرات اور اثبات واحد کیا

بیت

چو ممکن گرد امکان بر فشاند	بجز واجب دگر چیزی نماند

سوال چوتھا۔ جب کہ وجود کی حقیقت اس طرح ہے تو یہ اعتقاد تمام دانشمندوں کے خلاف ہے اور تمام مذہب کے لوگ آپس میں اس بات پر حیران ہیں کہ یہ کیا اعتقاد ہے کہ اس میں رد ہے کثرت کا اور اثبات ہے وجود کا۔ اور خلاف ہے تمام مذہب اور ملت کا۔ پس کونسے مذہب کو ہم حق جانیں یا کس کو باطل۔ اور یہ محال ہے کہ سب حق پر ہوں کیونکہ ایک کی ایک تردید کرتا ہے اگر ایک کو قبول کریں

موافق کارو ہوتا ہے اور اگر دوزخ مین اس طرح ہے کہ بالا مذکور ہوئی تو پہر اختلاف مذاہب کیا چیز ہے چاہیے تہا کہ سب کا ایک اعتقاد ہوتا اور کیون بہشت اور دوزخکو اسطرح فرمایا۔ جب کہ یہ بات ہے تو احتمال ہے کہ کافر بہی بہشتی ہون کیون کہ وے بہی آدمی ہین اور عمدہ عادات رکہتی ہین۔ مگر یہ قول حق کے خلاف ہے۔ کیونکہ کافر دوزخ مین رہینگے۔

جواب چوتہا۔

اختلاف مذاہب اور ملل اصل حقیقت مین سے ہے۔ کیونکہ ہر مذہب مین بوجہہ مناسب اثبات حق ہے اور سب موافق اپنا اصول معرفت کے اس کو پہچانتے ہین اور اثبات حق کرتے ہین۔ ہر آئینہ یہ تمام ملت اور مذہبون مین پایا جاتا ہے۔ کیونکہ خواہ اصفات کمال یا اصفات نقصان خدا کی سب تعریف کرتے ہین۔ اور سب اللہ کو معبود جانتے ہین اور کوئی ایسا سر نہین ہے کہ اس خیال سے خالی ہو۔ اور سب کا مطلو وہی ہے اس اعتبار سے کسکی اصل مذہب او ملت مین تفاوت نہین ہے سب موافق اور ایک دینا ہین۔ مگر عاشقون کا مذہب یہ ہے کہ بجز حق کے کسی کو موجود نہین جانتے ہین جیسا کہ کہا گیا۔

مثنوی

مذہب عشق از ہمہ دین ہا جداست	عاشقان را مذہب و ملت خداست

بحر ہمتا دو دو ملت کیش او	تخت شاہاں تختہ بندی پیش او
پارسی گو گرچہ تازی خوشترست	عشق را خود صد زبان دیگرست
بوی آن دلبر چو پرّان می شود	آن زبان ہا جملہ حیران می شود

اب جاننا چاہیے کہ حقیقت اختلاف کی یہ ہے۔ کہ وجود ایک ہی اور اس کی حد و نہایت نہیں ہے۔ اور کسی نے اسکی کہنہ کو نہین جانا کیونکہ یہ وجود بے حد و نہایت ہے۔

بیت

شرح عشق ار من بگویم بر دوام	صد قیامت بگذرد وآن ناتمام

اور اس کے ظہورات حد شمار سے باہر ہین اور ہر ظہور میں ایک عالم پنہاں ہے۔ اور دریای مواج ہے اور گنج مخفی ہے اور کسی نے اس دریا کی گہرائی کو نہیں دیکھا ہے۔ اور اس گنج مخفی کو کسی نے عیان نہیں کیا ہے۔ جس طرح کہ یہاں تھا اسی طرح ہے اور کسی نے تمام اس وجود کی سیر نہیں کی۔ جو کہ ہے صرف اس کے اجزا میں سے کسی اجزا کی حقیقت جزوی کو جانتا ہے۔ کما حقہ کوئی نہیں جانتا۔ مگر ہر شخص اتنا جانتا ہے کہ وہ اس کا رب ہے اور ہر شئے فی الحقیقت اس کی اسمار کی مظہر ہے جیسا کہ عرش مظہر اسم محیط ہے۔ اور کرسی مظہر اسم شکور اور فلک الزحل مظہر اسم رب اور فلک مشتری مظہر اسم

علیم اور فلک مریخ مظہر اسم قادر اور فلک آفتاب مظہر اسم نور اور فلک زہرہ مظہر اسم مصور اور فلک عطارد مظہر اسم مخفی اور فلک ہشتم مظہر اسم مبین اور آتش مظہر اسم قابض اور باد مظہر اسم حی اور پانی مظہر اسم محی ہے اور خاک مظہر اسم ممیت اور نبات مظہر اسم رزاق اور حق مظہر اسم لطیف اور حیوان مظہر اسم مفضل اور ملک مظہر اسم قوی اور انسان مظہر اسم جامع ہے اسی طرح سے ہر شخص ایک صفت اسمی رکھتا ہے او حقیقت مین وہی ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ یہہ تمام نام حق کے کہ ایک ہزار اور ایک ہین۔ یہ سب واسطے ہین اور ان نامون کو خدا نے اپنے اوپر آپ رکھا ہے کہ خود ہی نام ہے اور خود ہی ذات ہے جب دیکھا کہ یہ وجود ایک ہے اور اس کی صفت اور صورت تین بے شمار ہین اور اس وجود کو بجز اس کے ناموں کے بیشمار کے نہین پہچان سکتی جب دیکھا کہ عقل کل تو پیدا کرنیوالی چیزون کی ہے اور اس مین قابلیت بہت سے ہین۔ پس اس کا نام بدیع ہوا۔ کہا کہ حق تعالے بدیع ہے۔ چونکہ ابتدا مین نفس کل مین صنعت پیدا کرنے کے بعد از موت پائے جاتی ہے یعنی بعث کی۔ پس اس کا نام باعث ہوا۔ جب دیکھا کہ ممتر روشن اور مبین ہے پس حق کا

نام میں ہوا - جب دیکھا کہ اثبات لورنقص ہے نام حق لور ہوا - جب دیکھا کہ اگلے قابض ہے یعنی سکو اپنی طرف کھینچے ہے تمام چیز کو جو کچھ کہ اس میں پڑتی ہے جیسا چھوڑتی ہے - پس نام حق قابض ہوا - اور جب دیکھا کہ حیات محض ہے اور جو زندہ ہے اور مردوں کو حیات دیتی ہے پس نام حق حی ہوا - اور جب دیکھا کہ آپ زندہ کرنے والا تمام مولید کا ہوا اور سب کا زندہ کرنیوالا ہے پس نام حق مُحی ہوا - اور جب دیکھا کہ خاک مردہ صفت ہے اور تمام مردوں اور زندوں کا اس پر مسکن ہے اور سب خاک میں جاتے ہیں پس نام حق ممیت ہے - اور جب دیکھا کہ انسان جامع ہے تمام چیزوں کا اور جو کچھ ہے انسان کے آگے جمع ہے اور ہر چیز پیدا ہے اور جو کچھ عالم میں ہے آدم میں ہے - پس نام حق جامع ہے یعنی جاننا چاہیے کہ تمام اسما کی صورت ہے اور وہ اسم اس صورت اسم ہے کہ حق کو اس صورت کے ساتھ پکارتا ہے چنانچہ نام حق قہار ہے ہر آئینہ بہت سے آدمی ہیں کہ قہار ہیں اور حق کا نام جواد ہے - اور بہت سے آدمی سخی و جواد ہیں اس کا نام کریم و رحیم ہے آدمی بہت کریم و رحیم ہیں وہ

کریم و رحیم ہین وہ علیم ہے سمیع ہے بصیر ہے متکلم ہے انسان مین بہی یہ صفت ہے۔ اس کا نام محیط ہے آسمان بہی محیط ہے اور وہ مضل ہے بہت سے انسان گمراہ ہین۔ وہ ہادی ہے اکثر انسان راہ نما اور ہادی ہین وہ قابض ہے اور بہت سے آدمی بخیل ہین وہ متکبر و جبار ہے اکثر انسان متکبر و جبار ہین۔ وہ رزاق ہے اور اکثر انسان بہی قبیلہ پرور ہین وہ صانع ہے اور قانع ہے انسان بہی اس جگہہ صنعت کرتا ہے اور چیزین بناتا ہے۔ وہ ستار و غفار ہے اور اکثر آدمی اپنے بندون کے قصور معاف کرتے ہین اور خطا چہپاتے ہین۔ بعض اشیاء ظاہر ہین اور بعض پنہان اس لئے وہ ظاہر و باطن ہے۔ اور جو چیز کہ یہان وجود رکہتی ہے اس کی ابتدا ہے و انتہا بہی ہے اس لئے وہ اول و آخر ہے۔ اور اس وجود مین بالکل ابتدا و انتہا نہین ہے اس لئے وہ ازلی و ابدی ہے اور چونکہ تعینات مین تقدم و تاخر پایا جاتا ہے اس لئے اس کا نام مقدم و موخر ہے وہ جوہر تمام قوا ہے اور عرض اس کے ساتہہ قایم ہے اس کا نام قیوم ہے۔ اکثر انسان حد اعتدال پر چلتے ہین اس کا نام عادل ہے۔ بہت سے آدمی حلیم ہین اوسکا نام حلیم ہے بعض ایکدوسرے کی مدد

کرتے ہیں اوس کا نام رؤف ہے۔ اگر جو کوئی اونسے
طلب کرتا ہے اجابت کرتے ہیں اوس کا نام مجیب ہے
اور جب کہ وجود ایک ہی ہے اور اس میں اصلا دوئی
نہیں ہے اس سبب حق کا نام احد ہے اور جبکہ
ہر شے جداگانہ ایک جنس و ایک شے ہے حق کا نام
واحد ہے اور جب کہ ہر جنس میں صد ہزار افراد ہیں
حق کا نام فرد ہے۔ اور جب کہ ہر شے لطافت و رنگ
و صورت میں طاق ہے نام حق کا وتر ہے اور جب کہ
جو کچھ ہے سب راست ہے اور باطل کچھ نہیں ہے اس سبب
سے اس کا نام حق ہے۔ اور جب کہ یہ وجود باوجود
جمیع صفات کے ایک وجود ہے اور جامع جمیع صفات
ہے اور تمام خوبیاں اس وجود میں ہیں۔ اسلئے نام
وجود کا اللہ ہے۔ علی ہذا القیاس اگر تمام اسما کو آشکار
کروں تو یہ رسالہ دفتر تیار ہو جاوے لہذا اختصار
کیا کہ عاقل کے واسطے اسقدر کافی ہے اور اسم اس
وقت رکھا گیا جب کہ مسمی کو دیکھا اور کہا کہ یہ نام حق
کا ہے اور یہ نہ کہا کہ فلاں چیز یہ صفت رکھتی ہے اور
وہ حق ہے کیونکہ جو کہ اوس کا طالب ہے وہ اس
کی صفت کو ملاحظہ کرتا ہے اور جس عین کہ یہ صفت
پاتا ہے جانتا ہے کہ وہ ہے ہر آئینہ نام حق اس سبب
سے مختلف ہیں کہ ظہورات اس کے بہت ہیں نہایت

حق اسجگہہ ہے کہ وہ یہ صفات رکہتا ہو - جاننا چاہیے کہ جسمین یہ صفات ہین عین حق ہے - اور اگر یہ کہا جاوے کہ مثلاً ایک شخص عالم ہے اور قادر ہے اور بہہ صفت موصوف ہے تو گویا وہ شخص عین مسمیٰ ہے پس اگر وہ مرگیا تو کیا لازم آتا ہے کہ حق مرگیا تو جاننا چاہیے کہ وہ نہین مرتا ہے اس صفت سے دوسرا پیدا ہوجاتا ہے بلکہ جب تک کہ دوسرا پیدا نہین ہوتا ہے ایک نہین مرتا ہے - اور یہ ہو جو دسے اسمار کے نام ہین اور محال ہے کہ ایک صفت ہی اس وجود کی دور ہووے ورنہ کل وجود ہیہم ہوجاوے - پس جب تک کہ یہ وجود ہے یہ صفت اور صورت رکہتا ہے پس جاننا چاہیے کہ اسم عین مسمیٰ ہے - اور مسمیٰ ایک جز ہے اور اسمار اسکی بہت ہین

بیت

گرچہ این ہمہ اسما نہفادیم	مشواحوال مسمیٰ جز یکی نیست

دگیر

پیش عارف شد مسمیٰ عین اسم	گنج پنہان ست زیر ہر طلسم

پس جاننا چاہیے کہ وجود ایک ہے اور قیام اس وجود کا ایسی صورتون کے ساتھہ ہے کہ لفظاً سر بخالف یکدگر ہون اور باطن مین ایک -

مثنوی

اولاشئو کہ خلق مختلف	مختلف اسمہ چون با بااست
در حروف مختلف شوروشکی ست	گرچہ از یک دوسر سرمایا یکی ست

پس اس جگہہ ہر مظہر شناسا اپنا اور اپنے رب کا ہے کہ رب اس کا وہی ہے۔ اور شئے مظہر اسم ہے پس وہ اس رب کو تسبیح کرکے اسی صفت پر خدا اسکو پہچانتا ہے کہ جو مربوب اس کا ہے یعنی مراد لی اپنے رب کی پہچانتا ہے اور بجز اپنے رب کے دوسری کے رب کو نہین پہچانتا۔ پس اس قیاس پر ہر شئی اس اسم کا تسبیح کرتی ہے کہ رب اس کا ہے اور حقیقت مین رب و مربوب ایک ہے اور یہ معنی ہیں اس آیتہ کے کہ وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (نہیں ہے کوئی شئے مگر کہ اسکی تسبیح کرتی ہے) اور معنی تسبیح کے یہ ہیں کہ وہ شئے جو مسمی اس اسم کی ہے پس دیکھنا چاہئے کہ اشیاء بہت ہیں چنانچہ بعضی بڑی اور بعضی چھوٹی۔ حتی کہ ایک ذرہ بہی شئے ہے پس اشیاء کس طرح اس کے ذکر میں رہتے ہین اور تسبیح سے کیا مراد ہے اگر تسبیح سے مراد کوئی ورد کسی اسم کا ہے مثل اللہ کے کہ انسان کی زبان سے نکلتا ہے پس انسان ہی ذاکر سوا تمام چیزیں کسطرح ذاکر ہونگی

کیونکہ عناصر اربعہ مین نطق نہین ہے - اور داخل اشیا
یہ بھی ہین - لازم ہوا کہ تسبیح مراد اسم سے نہین ہے
اور اگر بواسطہ روح کے تسبیح ہو تو انسان حیوان
جن اور ملایک یہ سب روح رکھتے ہین تو یہی تسبیح
ہون نہ کہ دوسرے - اور علاوہ ان کے اشیاء دیگر
بہت ہین پس لازم ہوا کہ تسبیح روح سے بھی مراد
نہین ہے پس یہ اربعہ عناصر اور موالید ثلثہ کس
طرح ذکر کرتے ہین اگر یہ کہا جاوے کہ ہم نہین جانتے
اور ہماری عقل وہان تک نہین پہونچتی تو معلوم
ہوا کہ عقل نہین رکھتی - کیونکہ حاصل عقل یہ ہے کہ
کوئی چیز احاطۂ عقل سے باہر نہووے - پس اگر یہ معنی
سمجھہ مین نہین آتے تو معلوم ہوا کہ ہم حق کو نہین
جانتے اور اگر ہے تو عقل ناقص ہے کیونکہ عقل
کل بدیع ہمہ اشیاء ہے پس عقل کامل اشیاء کے
ادراک کرنے سے عاجز و جاہل نہین رہتی ہے
پس جب کہ عقل نہین تو داخل انسان نہین کیونکہ
انسان مراد ذی عقول سے ہے پس ہر آئینہ بیوقوف
کی بات قابل اعتبار نہین ہے پس جاننا چاہیے
کہ شئے عبارت ہستی سے ہے اور لاشئے مراد عدم
سے ہے پس کہا کہ نہین ہے اشیاء مین سے کوئی
چیز یعنی کوئی چیز نہین ہے مگر وہ تسبیح کرتی ہے ساتھ

حمد اُس کے۔ اور اس کی تسبیح سے مراد رجوع
کرنا ہے طرف مبداء کی کیونکہ جو کہ تسبیح کرتا ہے
البتہ مراد اس کی یہ ہوتی ہے کہ حق میرے اوپر
کرم کرے پس یہ ذکر بندہ کو اپنے رب کیطرف
کھینچتا ہے پس حمد عبارت شکرانہ سے ہے اور
شکرانہ عبارت اس سے ہے کہ منعم کی نعمت پر راضی
ہو کیونکہ نعمت پر رضا شکر ہی اور سکے رضا ناشکری ہے

بیت

کس پر نعمت حق ناسپاسی ‖ گر او حق را مور حق شناسی

اور حمد مراد استقامت سے ہے اوپر اپنے حال
کے۔ اور ہر انساں میں ایک صفت ہے اس وجود
کے صفات میں سے اگرچہ سب طرح جامع ہے مگر جس
صفت پر کہ غالب ہوتا ہے اسپر حکم ہوتا ہے پس جو
شخص کہ اس کی صفت میں بات کرتا ہے ہر ایک
وہ اپنی صفت کرتا ہے اور اپنے کو پہچانتا ہے اور غیر
خود کو نہیں جانتا عرفت ربی بربی پہچانا میں نے اپنے
رب کو اپنے رب سے اسکے یہ معنی ہیں

مثنوی

گفت اکنون چہ ای بس ورا ‖ لیست گنہا ئی دیں دیدۂ را

نیست سوزن را سر رشته دوتا	چونکہ یکتای درین سوزن را
تو منی و من توام ای محتشم	تو علی بودی علی را چون کشم

پس جاننا چاہیے کہ ہزاروں لایل سے یہ بات مقرر ہے
کہ وجود ایک ہے اور مانند آفتاب کے روشن ہے
مگر بصورت بسیار ظاہر ہوا ہے اور ہر دم اپنے تئین
ایک نئے لباس مین چھپاتا ہے ۔ اور ظاہر ہوتا ہے
پس اختلاف ملل و مذاہب اس سبب سے ہے
کہ ہر وجود مین ظہور بطور دیگر کیا ہے اور ہر جگہہ اپنے
تئین بنوع دیگر ظاہر کیا ہے اور اپنی صفت کی نہی
پس ہر اختلاف مین یگانگی ہے اور سب حق ہین
اور جو کچھ کہ کوئی کہتا ہے سب راست ہے ۔
اگر حقیقت مین دیکہا جاوے تو سب ایک ہی پس
جاننا چاہیے کہ وجود بالقوہ کہ موجود ہے بالفعل بہی
وہی ہے اور اس کی قوہ مین ہنوز بہت سے اشیا
ہین کہ برآمد ہونگی ۔ کیونکہ جو کچھ کہ ہے سب گنج مخفی
تہا کہ اب ظاہر ہو گیا ہے اور درحقیقت ہر شئ مین
ہزارہا گنج مخفی ہین کہ ظاہر ہونگے ۔

مثنوی

کل عالم را سبو دان ای پسر	کو بود از علم و خوبی تا بسر
قطرہ از دجلہ خوبی اوست	کان نمی گنجید ز پری زیر پوست

گنج مخفی بُد ز پُری چاک کرد / خاک را تابان تر از افلاک کرد

گنج پنہاں زین سبب می جوش کرد / خاک را سلطان اطلس پوش کرد

گر بدیدی قطرہ از دجلہ خدا / چو سبوہا را فنا کردی فنا

آنکہ دیدندش ہمیشہ بیخود اند / ہمچو دانہ بر سبو سنگے زدند

ای ز غیرت بر سبو سنگی زدہ / وان سبو ز اشکست کامل آمدہ

جزو جزو جسم رقص است و محال / عقل جزوی را نمودہ این محال

جسم بشکست آب ازو ناریختہ / صد درستی زین شکست انگیختہ

نے سبو پیدا درین حالت نہ آب / خوش ببین واللہ اعلم بالصواب

جاننا چاہیے کہ اس وجود کی صورتیں گوناگوں ہیں مگر سب ایک ہیں اسی طرح اگرچہ مذہب و ملت مختلف ہیں مگر سب کا مقصود خدا ہے۔

نظم

قومیکہ درین طواف گاہند / سرگشتہ دلان آن نگاہند

در مسجد و خانقاہ محراب / سربستہ غم تو جواہر اصحاب

ہم در طلب تو خرقہ پوشاں / ہم در طلب تو بادہ نوشاں

قومی ز غم تو در مناجات / جمعی ز پی تو در خرابات

چہ این کہ نہان و آشکارند / این گفت و شنود با تو دارند

گر سجدہ برد مغی بر آتش / در در تو لعل خود در آتش

محراب جہود گر کنشت است / او را چہ گنہ کہ سرنوشت است

توحید تو گوید از ہمہ باب / شر چشمہ تو ی کجا خورد آب

نرسا که زنار همیشه ناقوس ‌‌ ‌ چونکه زن تو شود بناموس

او را همه بس تو ئی نشان ست ‌ ‌ ‌ این دیر صلیب او بهانه هست

هندو که همیشه بت پرستند ‌ ‌ ‌ هر صبح دعات میفرستند

جز یاد تو نیست ورد زبانش ‌ ‌ ‌ زنار وفاست بر میانش

این جمله دین ملت خویش ‌ ‌ ‌ جز سرعت تو ندیده در کیش

مرغان چمن که صباحی ‌ ‌ ‌ خوانند ترا باصطلاحی

چون فاخته هرچه در عبارت ‌ ‌ ‌ کوکوی آن کوی الست پیوست

از گوش یقین شنیدن آسان ‌ ‌ ‌ توحید تو از جماد حیوان

آن ذره که در هوائی هستی ست ‌ ‌ ‌ وان جز که در حضیض پستی ست

فی الجمله ترا همه طلبگار ‌ ‌ ‌ آنکه ز تو کس نشد خبردار

جب کہ مقصود سب کا ایک خبر ہے ہر آئینہ اس معنی مین
سب متفق ہین - اور جس نے جیسا اوسکو پایا ہے ویسا
کہتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ پانی کوزہ مین کوزہ
کی صورت رکھتا ہے اور جسم مین بصورت جسم ہی
اور ہر ظرف مین اس ظرف کی صورت ہے مگر ظرفین
بصورت بسیار مشکل ہین بعد از ان تمام ظرفون مین
پانی آگیا پس اگر ظرف کج ہے تو پانی بھی کج ہے اور
اگر ظرف راست ہے تو پانی بھی راست ہے پس ہر ظرف
اس کی تعریف موافق اسکی صورت کے کیجاتی ہی
اگر جسم ہے تو کہتا ہے کہ پانی میری صورت ہے
اگر کوزہ ہے تو کہتا ہے کہ پانی میری صورت ہے

پر آئینہ دونوں راست کہتی ہیں مگر اپنی اعتقادین
ولیکن یالی نہ یہ ہے نہ وہ ہے اور یہی وہ ہے اور
یہی یہ ہے

مثنوی

پرتو خورشید بر آئینہ تافت	آئینہ خود را العکس شمس یافت
ناگہے آئینہ انا الشمس گفت	خلق ماندند ازاں در شگفت
ہر کہ در ان ایں آئینہ دید	جلوہ خورشید در لس بدید
سیمی اگر آئینہ جان تو	صاف شد ہست مین حق درو
گر ہمہ حق ہی نوی کم وکاست	راست ما بالحق تو گوئی روا

پس جاننا چاہئے کہ ہر شخص کی نظر اپنی اوپر ہے
غیر پر نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان اپنے طور پر تعریف
کرتے ہیں اور نصارٰی اور یہود و گبر اپنے طور
پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر بسبب اختلاف
زبان کے ایک دوسرے کے مطلب کو نہیں سمجھتے
ہیں۔ اگر اختلاف زبان کا جاتا رہے تو تمام آدمی
طالب وجویا ایک حقیقت کے نکلیں۔ جیسا کہ مولانا
نے مثال فرمائی۔

مثنوی

اندریں معنی مثال خوش شنو	تا نمانی تو اسامی را گرو

خارکش را او مردی یکدرم
فارسی و ترک و رومی و عرب
فارسی گفتا درین چون داہم
آن عرب گفت ای معاذ اللہ لا
آن یکی کو ترک بد گفت ای ستم
انکہ رومی بود گفت این قیل را
مشت برہم میزدند برابلہی
در تنازع مشت برہم می زدند
صاحب سری عزیزی صد زبان
کہ بگفتی ایکہ زین من آگہم
یک درم شان می میکند چار المراد
آن یکی شخصی ترا باشد پدر
در حق شخص دگرا و عم و خال
در حق شخص دگر قہر و عدو
صد ہزاران نام او یک آدمی
ہر یکی از شہر افتادہ بہم
ہر چہار اندر تنازع و دلقب
ہین بیا تا این نہ انگوری ہم
من عنب خواہم نہ انگوری دغا
من نمیخواہم عنب خواہم رزم
ترک کن خواہم اسپ و فیل را
پر بودند از جہل و ز دانش تہی
کہ زبند نامہا غافل بدند
گر بدی اینجا بدادی صلح شان
از روی حملہ ہا بر ای حزم
چار دشمن می شود یک زاتحاد
در حق شخصی دگر باشد اسیر
در حق آن دیگری سیح و حال
در حق آن دیگری لطف و نکو
صاحب ہر وصف از وصفش عمی

پس جاننا چاہیئے کہ اگر یہ تمام اختلافات زبان نہوتے تو یہ جنگ و غوغا عالم مین نہوتا ۔ کیونکہ سب ایک حقیقت کے طلبگار ہین اور وجود ایک سی زیادہ نہین ہے ۔ اور فی الحقیقت اختلافت بھی کچھہ نہین ہین کیونکہ جس زبان مین بات کیجاتی ہے زبان ہلتی ہے اور تالو سے لگتی ہے اور مختلف آوزین نکلتی ہین ۔ اور

تمہارے نزدیک اوس کا اعتبار ہے اگر غور سے
دیکھا جاوے تو جو آورکہ نکلتی ہے وہ دو حو کا جوش
ہے اور ہر ستے مین البتہ آورہوتی ہے اور اس
میں ایک راز ہوتا ہے اور اس راز مین ایک ساز
ہوتا ہے پس آدمی بہی آورر کہتا ہے۔ پس سخن
دحود حوش ہے اور اس وحود دروں مین سے
ہر درہ میں ایک فغان لطیف ہے اور باعتبار دیگر
کسی ستے میں نطق نہین ہے کیونکہ سب صدا ہے۔
پس اس طرح نگاہ کرنا چاہیے کہ نطق بہی اس وجود
کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے علی ہذالقیاس
ہرستے ایک صورت ہے اس وجود کی صورتوں
میں سے۔ اور تمام صورتیں ایک صوت ہے۔
اور ایک وجود ہے چشم کہو لکر زبان بند کرکے
دیکہنا چاہیے کہ کسقدر صورتین نظر آتی ہیں۔ جاننا
چاہیئے کہ صدا اواز اور نطق اور صورت بہی صورت
ہے۔ اور اُس وحود کی صورتوں مین سے اور تمام
اشیا ناطق ہیں۔ اور نطق رکہتی ہین۔ اور کوئی
ایسا درہ نہین ہے کہ ناطق نہیں ہے۔

	مثنوی	
فلسفی زاں منکر حانانہ است		گر حواس اولیا بیگانہ است

نطق خاک و نطق آب و نطق گل	ہست محسوس حواس اہل دل
جو دہا ست پوستہا آواز ہا ست	مغز او من را خوو آواز از کجا ست

پس اگر اس طرح دیکھا جاوے تو اختلاف زبان کا دور ہوجاوے اور سب یک سخن نظر آوین او ایک سخن سے زیادہ ہے بھی نہین - اور یہ تمام نعرہ کہ سنائی دیتے ہین ایک صدا ہے بلکہ بحقیقت ایک ندا ہے پس مقصود اس عبارت سی یہ ہے کہ اختلاف مذاہب اور ملل کا بھی وجود کی یگانگی ہے - اور جو شخص جیسا ہے ویسی تعریف کرتا ہے کیونکہ بجز حق کے موجود نہین ہے - وہی ایک حقیقت ہے کہ بصورت بسیار ظاہر ہوگئی ہے - اور ہر صورت عین حقیقت ہے اگر یہ کہا جاوے کہ دنیا مین تناقض بہت ہین مثلاً کتا سوئر وغیرہ تو یہہ کیا ہین - جاننا چاہئے کہ انسی وجود مین کچھہ نقصان نہین لازم آتا ہے - کیونکہ فرق شکل مین ہے ورنہ نجیست وجود قرار کیا ہے - کیونکہ اس تمام وجود کی خاصیت حیات ہے کہ ایک صفت سے دوسری صفت پر آتی جاتی ہے - مثلاً پاخانہ کہ اوس کا رنگ اور ہیئت مردار ہے ورنہ اصل اسکی وہی طعام پاک تھا بسبب صحبت انسان ایسا ہوا - اور پھر جب اُس کو کھیت مین ڈالدیا تو اسنے دانون کو قوت بخشی اور خاک ہوگیا -

بیت

کوزہ چون بشکست می گوئی سفال	چون سفالش خاک شد بنگر تو حال

پس سگ و خوک کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے کہ بیک مرتبہ انسی ہین مگر جب دوسرے مرتبہ پر پہونچتے ہین اس سے اعلی ہو جاتے ہین اور عاقلون کے نزدیک کچھہ تناقض نہین ہے کیونکہ ان مین

روح ہے اور روح مراد نہیں ہے۔ اور اسکی کچھ حاجت جانے کی نہیں ہے تمام وجود کو معلوم کرنا چاہئے کہ کیا ہے پس اکی حقیقت معلوم ہو جائیگی کہ کیا ہیں اور تمام موالید کے مبدا کو تلاش کرنا چاہئے کہ عناصر ہیں اور عناصر مراد نہیں کیونکہ موالید عناصر سے اور عناصر افلاک سے اور افلاک نفس کل سے اور نفس کل عقل کل سے اور عقل کل اوسکے نور سے ہے۔ پس مقرر ہوا کہ تمام موجودات کا مبدا نور خدا ہے پس جبکہ خدا کا نور پاک ہے تو جو شے کہ اس سے بنی ہے وہ بھی پاک ہے۔ مصرعہ

رنگ و بو ہمہ صادر گشت یکوست

اور نور خدا غیر خدا نہیں ہوسکتا۔ پس اس اعتبار سے تمام اختلاف واختلاف ایک ہیں کوئی شے ناپاک نہیں ہے۔ تمام ذات پاک ہے اور تمام کثرات عین وحدت ہے کیونکہ کثرت تمام حواس سے ہے کیونکہ کان سنتا ہے محال ہے کہ دیکھے پس وجود حس اور صدائے لیست و ملند کانز دیک بغیر حس کے موجود ہے۔ اور آنکھ کے نزدیک صوت و صدا کا وجود نہیں ہے رنگ والوان کا وجود ہے اور کان کے نزدیک رنگ کا وجود نہیں اور ناک کے نزدیک کھٹا اور سستی کا وجود نہیں ہے کیونکہ حس کو بجز ذوق کے خبر نہیں اور لمس لیسی دیدہا ان چاروں میں سے کچھ بھی نہیں رکھتا ہے۔ پس یہ نیز تعلق حس کے ساتھ رکھتی ہے پس اگر پاخانہ خراب ہی تو نزدیک ناک کے اوسکی تو خراب ہے۔ اگر سگ و خوک بد ہیں تو نزدیک آنکھ کے کہ دوسرے حس نے نزدیک پس تمام اشیا اکثر

اعتباری ہین نہ کہ حقیقی۔ کیونکہ وہی ایک چیز ہے کہ ایک اعتبار سے بدہی اور دوسرے اعتبار سے نیک۔ پس ایک جز مین دو ضد محال ہے کیونکہ اگر نیک ہے بد نہین اگر بد ہے نیک نہین۔ چنانچہ نجاست ناک کے نزدیک بد ہے مگر چشم و گوش کے نزدیک بد نہین ہے کیونکہ بدی اس کی بواسطے قوت شامہ کے ہے اگر شامہ نہوتی تو وہ ہرگز بد نہوتی۔ پس وہی ایک جز ہے کہ نزدیک بعض کے نیک ہے اور بعض کے نزدیک بد ہے اور حقیقت مین نہ وہ نیک ہے نہ بد ہے

مثنوی

از جمال یوسفی اخوان نفور	لیک اندر دیدہ یعقوب حور
جان ہامان خارب قبطی شدہ	جان موسی خارب قبطی شدہ
ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم	ہست موسی پیش قبطی بس ذمیم
نوریان مر نوریان را طالب اند	ناریان مر ناریان را جالب اند
در مقامی خار در جائے چو گل	در مقامی نار در جائے چو گل

چنانچہ سرگین گاو برہمنون کے نزدیک پاک و مطہر ہے اور نزدیک مسلمانون کے پلید۔

مثنوی

در حق او شہد در حق تو سم	در حق او مدح در حق تو ذم

پس جو چیز کہ ایک جگہہ بد ہو اور ایک جگہہ اچھی ہو وہ تو عاقلون کے نزدیک نہ نیک ہے نہ بد ہے۔ کیونکہ اگر بذات خود وہ بد

ہوئی تو کسی کے آگے حقیقت میں نیک ہوئی اور اگر نیک ہوئی تو
ہرگز بد ہوتی پس جب اس میں یہ دونوں بات ثابت ہیں تو معلوم
ہوا کہ یہ دونوں وجود کیطرف اضافت ہیں اور وجود ان دونوں سے
مبرا ہے پس اختلاف کہاں رہا۔ اسی معنی میں یہ کہا گیا عَمَلُ کُلِّ
عَمَلٍ مِنّی یعنی اسی سبب سے کہ ان کے ساتھ ہوں۔ اگر یہ کہا
جاوے کہ جب یہ بات ہے تو اسلام و کفر ایک ہیں لازم ہوا کہ کافر
بھی بہشت میں جاوینگے تو جاننا چاہیے کہ حقیقت بہشت و دوزخ کی
سوال سوم میں گذر چکی جب کہ حقیقت جنت اور دوزخ کی یہ ہیں
پس یہ اضافات ہیں طرف وجود کے سرا آئینہ کافر و مومن بھی اضافات
ہیں اس وجود کی فی الحقیقت نہ کافر موجود ہے نہ مسلمان ہے اور
اس وجود کو سوائے اسم و رسم اور اضافت کے دیکھنا چاہیے کہ کہتے
اَلتَّوحِیدُ اِسقَاطُ الاِضَافَاتِ یعنی توحید ساقط کرنا اضافت کا ہے

غزل

نی کافر ست و مومن حملہ خداست مگر	نہ منکر ست مومن حملہ خداست مگر
نی دوزخ و بہشت نے انس و جنت	عارف ہمہ بہشت حملہ خداست مگر
نے آدم و نہ حوا نے جنت و نہ دنیا	ذرہ ہا اوست پیدا حملہ خداست مگر
نے بندگی نہ طاعت نہ دین نہ عبادت	نے سومے لصاعت حملہ خداست مگر
نے اول و نے آخر نے ظاہر و باطن	نے راحم و نے قاہر حملہ خداست مگر
نے شرع و نہ شریعت نے راہ نی طریقت	نے حق نے حقیقت حملہ خداست مگر
نے نور و نے سیاہی نے شاہ و سپاہی	از ماہ تا ماہی حملہ خداست مگر

نی کافر و نہ دین است نی شک نی یقین ست | نی آن بود و نہ این ست جملہ خداست بنگر
نی بت بود و نہ بت گری امت پیغمبر | نی مسجد و نہ ممبر جملہ خداست بنگر
نی کعبہ نہ دیر ست نی یار وہم نہ غیر ست | نہ ظاہر و نہ ظہر ست جملہ خداست بنگر
نی مجرم و نہ عصیان نی نامہ و نہ میزان | نی آتش و نہ میزان جملہ خداست بنگر
نی شک و نہ یقین ست نی آن بود و نہ این ست | نی چون و نی چنین ست جملہ خداست بنگر
نی روزہ و نماز ست نی سجدہ و نیاز ست | نی سوز و نی گداز ست جملہ خداست بنگر
نی عرش ہست کرسی از دیگران چہ پرسی | نی یک بود و دو شی جملہ خداست بنگر
سیفی خموش دیگر گفتی ہمہ سہ اسر | این نکتہ شد مقرر جملہ خداست بنگر

مقصود ان تمام کلمات سے یہی ہے کہ بجز حق کے موجود نہین ہے اگر صد ہزار دکھائی دین بلکہ ایک ہے اور وہ ایک صد ہزار دکھائی دیتا ہے اور مذہب اور ملل بجز حق کے نہین ہے۔ اور تمام مذہب راست اور حق ہین۔ اگر مسلمان ہے اپنی دین کا اثبات کرتا ہے اور نفی غیر کے مذہب کی کرتا ہے اگر کافر ہے وہ بہی اسی طرح اپنے اپنے دین کو ثابت کرتے ہین

بیت

چہ امام صومعہ چہ پیر دیر | میکند اثبات خویش و نفی غیر

پس انکا م کی انانیت کو دیکہنا چاہئے کہ کسطرح اپنی تئین ثابت اور غیر کو نفی کرتے ہین۔ اور اسی پر حق کی حقیقت کو قیاس کرنا چاہئے کہ ہر شخص نے اپنی دین کو حق اور غیر کو باطل کہا ہے پس یہ انانیت انسان کی انانیت خدا کی ہے۔ کہ جب سب وہی ہے کہ اس صفت سے ظاہر ہوا ہے پس حق کسی مرتبہ مین کمتر نہین ہے

کیونکہ جب تمام جگہہ اسکا حکم برابر کہا گیا۔ پس ہر جگہہ بسبب عین ہونے کے انا کہا۔ وگرنہ سوائے اسکی کون کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی غیر سوائے اوسکی سزاوار انانیت کا ہوتا ہے تو خدا پر عجز لازم آتا کہ باوجود ہستی حق کے غیر انا کہوے پس محال ہے کہ حق کے سوا کے لئے انانیت ہو۔

نظم

انانیت بود حق را سزاوار	کے منوعت نانیت وہم پندار
بجز حق نیست کس را ہستی الحق	ہو الحق گوئی خواہی در انا الحق
جناب حضرت حق را دوئی نیست	در آنحضرت من و ما و توئی نیست

پس انانیت تمام کی انانیت حق کی ہے۔ اور اگر یہی فرض کیا جاوے کہ سب غیر حق ہین اور باطل ہیں۔ تو آیا اپنی خواہش سے بے ارادہ حق ایسے ہو گئے ہیں یا خواہش حق سے کہ محض اسکا حکم ہے یا شرکت سے کہ پہلے اونہوں نے خواہش کی پھر حق بھی راضی ہو گیا۔ پس اگر یہ کہا جاوے کہ بے ارادہ حق ہوئی ہین تو یہہ محال ہے کیونکہ ایک ذرہ بھی بلا حکم خدا کے نہین ہل سکتا اور اگر حق کی خواہش سے ہوئے ہین تو پھر خلق کو درمیان میں کیوں دیکھتے ہو۔ اور اگر ایک کو حق اور ایک کو باطل کہتے ہو۔ کیونکہ جو کچھ حق کرتا ہے ہرگز اپنی ضد نہیں کرتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ شرکت سے ہوئے تو اس بھی عجز حق تعالیٰ پایا جاتا ہے اور لازم آتا ہے کہ حق عاجز ہے کہ اپنے غیر کے فعل پر راضی ہو گیا اور جب کہ غیر نے

ارادہ کیا تہا حق غافل تہا اور جب کہ فعل ظاہر ہوگیا اس کورد
نکر سکا پس شرکت ہوئی- اور یہ محال ہے پس جاننا چاہیئے
کہ اگر خدا ان دینون سے راضی نہوتا ہرگز کوئی دین قایم نرہتا-
مقرر ہوا کہ سب اسکے ارادہ اور خواہش سے پیدا ہوئی ہین ہرگز
یہ درست نہین کہ اپنی خوشی سے یہ ملت ہین- ہرآئینہ جب کہ تمام حق کی
رضا و خواہش سے پیدا ہوئے تو خلق کا وجود کہان رہا کیونکہ مخلوق
کو نہ تو فعل ہین اختیار ہے نہ وجود ہے بلکہ فعل بہی نہین ہے پس جو
چیز کہ نہ تو اوسکا وجود ہے نہ اُسکا فعل ہے پس وہ عدم ہے اور
وجود حاصکر اسی کے لئے ہے کہ فاعل ہے- پس جاننا چاہئے کہ جو
کچہہ ہے سب حق ہے- تمام ملل اور مذہب حق ہین- کیون کہ
ہر اہل ملت یہ کہتا ہے کہ حق نے اس طرح فرمایا ہے اور ہمکو اسطرح
تعلیم کیا ہے پس کس کو حق کہہ سکتے ہین اور کس کو باطل-
جاننا چاہئے کہ سب حق ہین اور وجود حق کا ہے کہ اپنی تعریف
ہرجگہہ بطرز دیگر کی ہے- اگر تمہارے آگے کوئی ہزار باتین حقانی
بیان کرے اگر تمہارا دل قبول نکرے تو وہ باطل ہے اور اگر
ہزار باطل بیان کرے اور دل قبول کرے تو وہ سب حق ہے-
پس اس بات کا یقین کرنا چاہئے کہ حق عبارت لطیفہ دل سے ہے
اثبات دل اثبات حق ہے اور نفی دل نفی حق ہے جو کچہہ
عالم مین ہے ایک طرح سے نیک ہے- اور دوسری طرح
سے بد ہے جو نیک ہے وہی بد ہے اور جو بد ہے وہی نیک
ہے اور حقیقت مین بد ہے نہ نیک-

مثنوی

اے لسا شیریں کہ چوں شکر بود ‎ ‎ لیک زہر اندر شکر مضمر بود

در مقامی زہر و در جائے دوا ‎ ‎ در مقامے کفر و در جائے روا

در مقامے خاک در جائے چو گل ‎ ‎ در مقامے سرکہ در جائے چو مل

در مقامے خاک جائے کیمیا ‎ ‎ در مقامی صبر در جائے شفا

در مقامے عیب در جائے ہنر ‎ ‎ در مقامے سنگ در جائے گہر

در مقامے حنظل و جائے شکر ‎ ‎ در مقامے خشک در جائے ست تر

در مقامے ظلم جائے محض عدل ‎ ‎ در مقامے جہل جائے عین فضل

گرچہ اینجا او گر بدحال بود ‎ ‎ چوں بہ اینجا در رسد در مال بود

آب در غورہ ترش باشد ولیک ‎ ‎ چوں بہ انگوری رسد شیریں و نیک

یار در چشم او شود تلخ و حرام ‎ ‎ در مقامے سرکگے نعم الدوام

پس جاننا چاہئے کہ ایک سب حقیقت ہے کہ دنیا بھی ہے اور خدا بھی ہے زہر بھی ہے تریاق بھی ہے بحر بھی بر ہے کوہ بھی شہر بھی لطف بھی قہر بھی مرد بھی عورت بھی دوزخ بھی بہشت بھی۔ سگ و خنت در و دیوار یار و اعیار ربعہ و زنار زمیں و آسمان جسم و جان آب و نان پہاڑ و کان یہ اور وہ اور یہ معہر محکمہ اس کا ایک رنگ ہے اور صورت دیگر ہے

بیت

مردمی باید کہ باشد شہ شناس ‎ ‎ تا شناسد شاہ را در ہر لباس

اگر یہ کہا جاوی کہ جب کہ حقیقت اس طرح ہے پس یہ ریاضت و رد م

کہ تم ادا کرتے ہو کیا ہے کیونکہ سب حق ہے طاعت وسجدہ کس کے واسطے
ہے سا جد غیر مسجود نہین ہے اور عابد غیر معبود نہین ہے۔ جواب یہ ہے
کہ چونکہ یہ احکام ظاہری ہین اور ہم حالت ظاہری رکھتے ہین اور باطن رکھتے
کو ظاہر سے مشغول رکھتے ہین اور باطن کو باطن سے۔ تاکہ کوئی خراب نہو
نقل ہے کہ جب منصور نے انا الحق کہا لوگون نے اسکو قید کردیا قید مین
اٹھکر چارسو رکعت نماز ادا کی ایک شخص نے کہا کہ جب تو خدائی کا دعوی کرتا
ہے تو یہ نماز کیا ہے کہا کہ شریعت ہی مجہہ سے ہے۔ اور مین چونکہ خدا ہون
سب کو نگاہ رکھتا ہون۔ اور اپنی قدر آپ جانتا ہون۔ اگر کسی کا یہہ
حال ہو کہ اپنے کو تمام حق دیکھے اور نماز پڑہتا ہو تو اسکی ایسی بات ہے
کہ منصور نے کہی۔ اگر تمام حق سے دیکھتا ہے تو ہر آئینہ احکام ظاہری بہی
حقیقت ہے اور جو کچہہ امر و نہی کہا ہے تحقیق محض ہے اور خلقت کے
لئے مصلحت عین اور کامل وہ شخص ہے کہ باوجود اس حال کے پابند
شریعت ہو۔ مگر اس کی دانش واعتقاد جیسی کہ بیان کی گئی ہے چاہئیے
کیونکہ جبکہ حقیقت یہ ہے تو چاہئیے کہ صورت کو معنی کے ساتہہ ہمیشہ
جمع رکھے اور رد نکرے۔

مثنوی

جمع صورت با چنین معنی ژرف	نیست ممکن جز ز سلطان شگرف
اندرون شو آشنا و ز برون بیگانہ وش	اینچنین زیبا روش کم بود می اندر جہان

پس جاننا چاہئیے کہ سالک جب اس مقام پر پہونچ جاتا ہے وہ کامل
ہو جاتا ہے۔ اور کمال نہین رہتا ہے۔ نزول بعد از عروج اور

سمو لعداد نمو اور انا البداز فنا یہی ہے۔ اب بیان سے چند سوال اور
اون کے جواب جو کہ مفید ہیں لکھے جاتے ہیں۔

سوال رضا اور ریاضت سالکون کی جب کہ تمام احوال
میں حق ہے کس لئے ہے۔

جواب اس حیثیت کو جیسی کہ وحدت الوجود کے ساتھ ہے
معلوم کر لیں اور انسان کامل ہو جاویں۔

سوال۔ انسان کامل کون ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے۔

جواب انسان کامل کی حقیقت حق ہے اور کامل وہ ہے کہ جو کچھ عالم کے
وجود میں ہے تمام کو حق میں دیکھے اور اپنے کو جامع خدا اور خلق دیکھے
کامل وہ ہے کہ اس میں کمال رہا ہو یعنی نہایت پر پہنچی ہو۔

سوال کرامت کیا ہے۔

جواب کرامت یہ ہے کہ اپنے کو تمام حق کے کرامت جانے بلکہ
اپنے تئیں درمیان میں سے لاوے۔ اور اپنی ہستی کو فراموش کر دے۔

سوال اپنی ہستی کس طرح گم ہوتی ہے۔

جواب اپنی ہستی کا قیام خدا کی ہستی کے ساتھ دیکھے۔ چنانچہ ہستی
سایہ کی وجود کے ساتھ اور تمام حق کی ہستی کو جانے۔ پس جب کہ اپنی
کو سب حق دیکھا اپنی ہستی کو گم کیا۔

سوال سایہ کا وجود عین شخص ہے یا غیر شخص۔

جواب سایہ عین شخص ہے غیر شخص نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر
وجود کے سایہ کو نمود نہین ہوتی ہے پس سایہ نمود شخص ہے اور نمود غیر
بود نہیں ہوتی ہے۔ سایہ اور شخص ایک ہے۔

سوال انسان کے وجود کی بقا کس چیز سے ہے۔
جواب محبت خدا سے کیونکہ جب محبوب باقی ہے تو اسکی محبت بھی باقی ہے۔
سوال عالم کی حقیقت کیا ہے۔
جواب عالم کی حقیقت یہ ہے کہ حق کو جان عالم اور عالم کو جسم حق جانے اور دونوں کو غیر یکدیگر نہ جانے بلکہ عین جانے۔
سوال عارف کون ہے اور معرفت کیا ہے۔
جواب عارف وہ ہے کہ کسی چیز سے متعجب نہو۔ اور معرفت یہ ہے کہ دونوں کو ایک دیکھ اور ایک کو دو۔
سوال آدم کون ہے۔
جواب آدم وہ ہے کہ اُس دم کو اس دم مین اور اِس دم کو اوس دم مین دیکھے۔
سوال دل کیا ہے۔
جواب دل مظہر جلوہ الہی ہے اور ظہور حق تمام دل مین ہے
سوال دل کی صورت کیا ہے۔
جواب دل کی کئی صورت ہین اور ہر صورت اسکی صورت ہے۔ صورت نمود ہے اور معنی وجود ہے صورت بی معنی نہین ہوتی ہے اور معنی بے صورت نہین ہوتے۔
سوال ولی کیا ہے۔
جواب معنی حق ہے اصورت بندہ
سوال بندہ کیا ہے۔

جواب بندہ فکر خداوند ہے

سوال فکر کیا ہے

جواب فکر یہ ہے کہ بادشاہ غلام کا لباس پہنے اور خود ہر طرف کو جاکر یہ کہے کہ بادشاہ نے ایسا فرمایا ہے۔

سوال خدا کب پہچانا جاتا ہے۔

جواب جب کہ بندہ خدا ہو جاوے یعنی بجمیع صفات خدا موصوف ہو جاوے۔

سوال وحدت وجود کسطرح معلوم ہو سکتی ہے۔

جواب حواس خمسہ کو دور کرنا چاہئے تو یہ تمام کثرت وحدت دکھائی دیگی۔

سوال جب کہ وحدت ہے تو پھر یہ کثرت کیسی ہوئی۔

جواب وحدت کا قیام کثرت شے کے ساتھ ہے اور حقیقت میں کثرت نہیں ہے مگر احول کو دکھائی دیتی ہے۔

سوال شریعت اور طریقت کیا ہے۔

جواب شریعت پوست ہے اور طریقت استخواں ہے۔

سوال دوزخ و بہشت کیا ہیں۔

جواب دوزخ مظہر جلال ہے اور جنت مظہر کمال ہے۔

سوال سوال و جواب کیا ہے۔

جواب سوال عبارت مبدا سے ہے اور جواب عبارت معاد سے ہے۔ یعنی شروع کرنا اور ختم کرنا۔

سوال مبدا اور معاد جدا ہیں یا ایک ہے۔

جواب مبدا عین معاد ہے اور معاد عین مبدا ہے دونوں ایک ہے
اور یہ دونوں اعتباری ہین وگرنہ اس وجود مین مبدا و معاد نہین ہے
الآنَ کَمَا کَانَ۔ ہنوز ویسا ہی ہے جیسا کہ تہا۔ پس جاننا چاہیے
کہ وجود ایک ہے اور وہ قدیم ہے اور حق ہے اول و آخر نہین کہتا
جو موجود ہے تمام اشیاء ماہیات ذہنی ہین اور خارج نہین ہین اور تمام
کا وجود علمی ہے اور حق عین ہے۔ اور بجز اسکے نہین ہے۔ واسطے طالب
صادق کے یہ چند سوال وجواب اجمالی طور پر بیان کردئے گئے ہین اگر
اگر مفصل طور پر بیان کیا جاوے تو کتاب دراز ہو جاوے اور مقصود
تمام نہووے۔ اسواسطے موافق حکم **خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ**
یعنی کلام مختصر و مدلل بہتر ہوتا ہے۔ کے اسی پر اکتفا کیا۔ اور اس
بات کو ہر شخص نہین جانتا بجز اسکے کہ اسپر نظر مرد کامل کی پڑی ہو

بیت

تا نیفتد بر تو مردے را نظر	از وجود خویش کے یابی خبر

اور جس مین کہ حسد اور انکار و جہالت جڑ پکڑ لی جاتی ہے
محال ہے کہ وہ سمجھے۔

مثنوی

اے کہ اندر چشمہ شورست حیات	تو چہ دانی سطح جیحون فرات
مرغ کاب شور باشد مسکنش	او چہ داند قدر آب روشنش
اے تو نارستہ ازین فانی رباط	تو چہ دانی محو و شکر و انبساط

بت پرستی چون نمای در صور ‖ صورتش بگذار در معنی نگر

قدر اس بات کے حسب معلوم ہوگی کہ طالب بصدق دل اس بات کو مطالعہ کرے اور قبول کرے اور اثر قبولیت کا اسکی پیشانی پر ہویدا

مثنوی

بس کنم گر این سخن افزون شود ‖ خود جگر چہ بلکہ خارا خون شود
بس کنم چون ہیچکس را نیست تاب ‖ سینہ و چشم کسان را نیست آب
بس کنم چون زیرکان این بس ست ‖ بانگ دو کردم اگر در دہ کس ست

اب کہ تینون اصل سے فراغت حاصل ہوئی ۔ خاتمہ کتاب لکھا جاتا ہے ۔

خاتمہ کتاب

ختم کتاب حقیقت انسان اور تعریف کتاب اور اسکی تاریخ میں مخفی نرہے کہ انسان کا وجود میں آنا محض وجود کی شناخت کے واسطے ہے اور اگر وجود کی پہچان ہو تو وجود کو تعطل اور بیکار لازم ہو اور بموافق حکم مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ای لِيَعْرِفُوْنِ کے معرفت وجود کی بہت ضروری ہے ۔ اور بموافق قابلیت اور استعداد کے ہر گروہ کو معرفت اس وجود کی حاصل ہے مگر معرفت کلی حاصل نہیں ہے ۔ اور معرفت کلی انسان کامل کو حاصل ہوتی ہے ۔ اور انسان کامل کی یہ تعریف ہے تاکہ معلوم ہو جاوے ۔ کہ وہ قوت کہ اس وجود کی تعینات سے پہلی قوہ

لاتعین مین تھی جب اسنے چاہا کہ اپنی قابلیت کو ظاہر کرے پس
وہ قوت خالقیت قوت مخلوقیت کو حرکت مین لاے اور صورتہای
مختلف ظاہر کیا۔ یعنی اس قوت نے کہ قوت ربوبیت ہے قوت
مربوبیت کی چند اقسام کی اوسکی ایک قسمت کا نام روح اول اور
اور عقل کل ہے اور ایک کا لوح محفوظ و ام الکتاب ہے اور
کتاب مبین اور نقش کل بہی کہتی ہین اور ایک بجاے سیاہی
اور اسکو طبیعت کل کہتے ہین۔ پس مادہ تمام صورتون کا طبیعت
کل ہے۔ پس قوت فاعلیت اور ربوبیت نے قوت مربوبیت
اور مفعولیت کو تین قسمت پر تقسیم کیا۔ اور ایک قسمت کو ایک
مین ملایا اور ہر چند تینون کا ایک سے ایک ملا دیا۔ اور کل شیٔ
فی کل شیٔ واقع ہوئی۔

بیت

این ست بیان آن کہ عارف گوید	باشد ہمہ چیز مندرج در ہمہ چیز

ہر آئینہ ان تین قسمت مین سے ایک کو لوح دوسرے کو قلم تیسرے
کو سیاہی کہتے ہین۔ اور وہ قوت فاعلیت لکہنی والی ہے اس
اور شمار سے یہ نہ جاننا چاہیے کہ وحدت وجود مین کثرت
لازم آتی ہے بلکہ وجود ایک ہے اور ایک سے زیادہ نہین ہے
اور یہ گردش وجود کی ہے کہ جو معلوم ہو رہی ہے اور ان تمام
قابلیت کے ساتھہ ظاہر ہوئی ہے اور یہ صورتین اختیار کی ہین
جب اس لکہنی والے نے حروف کائنات کے تمام لکھدی یہان تک

اگر ورتہ انسان تک لکھا ایس کتاب کائنات کی تمام ہوئی۔

مصرعہ

تا حرگشت منازل نقش انسان

انسان کے وجود مین آنے کے بعد اس قوت ناطقیت نے
کہ لکھنے والے ہے صورت انسان مین قیام کیا - اور ہر صورت
ایک سطر ہے کہ جب لکھا اسی صورت مین بنا اور صورت اسکی
بنائی یہاں تک کہ نوبت صورت انسان کی آئی - جب کہ
انسان کی صورت بنائی تو جمع اس تمام قوت کے انسان مین
مقیم ہوگیا اور صورت انسان کو اپنا مقام بنالیا -
جیسا کہ کسی نے کہا کیا -

مستزاد

از بہر خود ایوان سراحواست بسازد — قصرے زلستر ساخت
خود صورت سقف و در و دیوار برآمد — خود جان و امان شد
خود گور و در خود گونہ گرد خود جگل گورہ — خود اندر سعو گشش
خود بر سر آں گورد خریدار برآمد — دارای جہاں شد
این جملہ ہمچوں بود کہ می آمد و میرفت — بر قدرن کہ دیدی
تا عاقبت آں شکل عرب وار برآمد — در پردہ نہاں شد

دیگر

آں بادشاہ اعظم در بستہ بود محکم — پوشیدہ دلق آدم ناگاہ بدر آمد

معشوق جان و دلہا نزدیک ماست اما	ہستی ما درین رہ سد سکندر آمد

پس لاتعین سے تعین انسان میں آنے سے مراد مبدا او جو وسی ہے۔ پس اس لکھنے والے نے صورت انسان کو ایسا راست کیا کہ جو کچھ نسخہ کبیر میں لکھا تھا سکو انتخاب کر کے نسخہ جامع انسانی میں لکھا۔ پس اس کاتب نے اس نسخہ منتخب انسانی کو کہ کتاب کبیر میں سے انتخاب کر کے لکھا تھا۔ کتاب صغیر میں لکھا۔ کہ کتاب کبیر کو اپنے ہاتھ میں لیا یعنی اس صورت انسانی میں آیا کیونکہ کسی کو ایسا نپایا کہ اس کو یہ قابلیت ہو کہ منتخب نسخہ کبیر ہو بجز صورت انسانی کے۔

مثنوی

من نگنجم ہیچ در بالا و پست	من نہ گنجم در جہان کہ ہرچہ ہست
من نہ گنجم در زمین و آسمان	در دل مومن بہ گنجم این بدان
در دل مومن بہ گنجم این عجب	گر مرا جوئی دران دلہا طلب

جب اس کاتب نے کہ فاعل ہے نسخہ کبیر لکھا اور جو کچھ نسخہ کبیر میں تھا تمام از روے اجمال کے نسخہ صغیر یعنی صورت انسانی میں لکھا۔

غزل

ہرچہ باشد در زمین و برو بحر و آسمان	بالیقین اند. وجود تو تمامی مضمرست
جسم مانند زمین و استخوانہا ہمچو کوہ	موی ہا مثل درختان لحم چون بحر و بر
روح تو سلطان و دل تخت ست عقل انہا وزیر	گوش جاسوس و چشمت ہمچو پیک نیز ہست
ہاضمہ طباخ باشہ دافعہ کناس دان	رنگریز آمد مصور جاذبہ سوداگر ست

هرچه هست اندر تو لشمارم اگر سی تمام | لیک از تفصیل سرّ دل همه کل برترست
کاسهٔ سر عرش باشد مغز چون کرسی بود | بعد ازین ده عضو دان هفت آسمان برترست
هر دو چشم و هر دو گوش و دو هر دو بینی یکدهان | کرسی است این تا سماک و هفت اختر هست
آسمان ها و ست انجم اسپهار اندر آن | هفت اندام تو دان اندرین هشت کرسیست
بعد ازان سودا و بلغم چون جو صفرای عزیز | مثل این خاک آب و باد و آتش برابرست
با الفقه جبرئیل باشد هم اسرافیل شد | دل چو عرش و روح تو عقل کل تو بیمثرست
مازو تو تهاکه سبت اندر وجود تو بسے | هم امیدان که بموامت ست بنگرست
هرچه باشد آن توی زین رو که میکرم بیان | همچنین اسد را شعری که صاحب گو هرست
نیستی از هستی خود گر که نامی تمام | انچه اندر عالم ست آن جمله در تو هست

جب سکو اس وجود میں رکھہ لیا اسوقت خود آیا اور یہ نسخہ جامع لسالک
کہ نسخہ تفسیر کبیری اپنی ہاتھہ میں لیا اور جو کچہ اس نسخہ میں تہا پڑہنے
لگا۔ پس وہ کاتب اب قاری ہوا کیونکہ اگر اوس پڑہنے والے نے تمام
کتاب صغیر اور کبیر کو پڑہا اور اپنے تئیں لکھنے والا اور پڑہنے والا یعنی
تمامی حقیقت معلوم کیا۔ پس اسوقت اسکو انسان کامل کہتے ہیں
اور یہ معنی ہیں کل شیئ یرجع الی اصلہٖ ہر شئے اپنی اصل
کیطرف رجوع ہوتی ہے۔ کہ جہاں سے آیا پہر گیا۔ اگر یہ کہا جاوے
کہ جب وہ لکھنے والا تہا تو خود اپنی تحریر کہ جانتا تہا کہ کیا لکہا ہے پڑہنے
کی کیا حاجت تھی جواب یہ محال ہے کہ لکھنے والا اپنی تحریر کو پہر نہ پڑہے
کیونکہ جو شخص کہ لکھتا ہے اپنی تحریر کو البتہ پہر پڑہتا ہے۔ اسی سبب
سے کہ جب تک کتاب تمام ہوئی تہی کاتب لکھنے مین مشغول تہا
اور جب کتاب تمام ہوئی شغل سے فارغ ہوا پہر یہی کام رہا کہ پہر اس

کہ پھر اس کتاب کو مطالعہ کرے اور ہمیشہ مشغولی اسکی یہی ہے کہ اپنی کتابت
کو مطالعہ کرے۔ اگر اپنی کتاب سی غافل ہو جاوے تو کتاب ابتر ہو جاوے
پس پھر گردش عالم اور تغیر و تبدیل موالیدین اور آمد و رفت اسمان و عناصر
کی عبارت اس سے ہے کہ وہ کاتب اپنی لکھی کو پھر پڑہتا ہے۔ پس یہ
مرنا تغیر و تبدل حروف کا ہے اس کتاب کبیر مین اور انسان کامل عبارت
اس لکھنے والے اور پڑہنے والے سے ہی۔ پر ائمیہ کوشش و رضا خدمت
سالکون کی اسواسطے ہے کہ انسان کامل ہو جاوین۔ اور طالب کو لازم
ہے کہ طلب خدا کی کرے اور اسکو اپنے سے غائب نہ طلب کرے
کیونکہ سب وہی ہے۔

بیت

حاصل تحصیل ما تحصیل حاصل ایدوست	ما ئی تحصیل یار و یار در دل بود ہ است

پس چاہیئے کہ اس بات کی طلب کرے کہ انسان کامل ہو جاوے
کہ وہ مراتب الہی اور ربوبیت کلی ہے۔ اور انسان کامل کو اور اوسپر
پر قیاس کرنا نچاہیئے کہ کہا ہے۔ کہ الشیٔ فی لا مخلوق۔ کہ ہوئی مخلوق
نہین ہے اور یہ مرتبہ انبیا کا ہے۔ پس انسان کامل وہ ہے کہ حقیقت
اسکی یہ ہے۔ ای طالب اگر تو انسان کامل نہین ہو سکتا ہے تو اتنا
کر کہ انسان کامل کا بندہ ہی بن اور مقصود آفرینش سے انسان کامل
ہے۔ لولاک لما اظہرت الربوبیت۔ اگر نہ پیدا کرتا مین تجھکو نہ
ظاہر کرتا اپنی ربوبیت کو۔

مثنوی

اندر آور سایهٔ آن عاقلے	کس نیابد بر دار رہ باطلے
حال او با در زمین چون کوہ قاف	ظل او سیمرغ بس عالی طواف
گر بگویم تا قیامت نعت او	ہیچ آنرا غایت و مقطع مجو
در بشر روپوش کرد این آفتاب	فہم کن و اللہ اعلم بالصواب

اور روشن پیر کامل کی خدمت کرنے چاہئے کہ طاعت بیری کی بہتر ہے۔ کیونکہ خدا نے سر آنکھوں سے دیکھہ لینے کو دیا ہے اور بچشم سر کوئی اسکو نہین دیکہتا ہے کہ اسکی عبادت کیجاوے حیا کہ حق پوجنے کا ہے پس پیر حاضر ہے اور دل محیط انوار الٰہی ہے۔ اور وہ پہر خدا ہے پس خدمت اسکی خدمت خدا کی ہے

بیت

زان روے کہ چشم تست احول	معبود تو پیر تست اول
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا	گو نشیند در حضور اولیا

اور اگر اچہی طرح سے دیکہا جاوے تو وہ معبود عین یہی ہے اگر یہ نہ ہو تو آنکہہ نہیں ہے طالب اگر سو برس عبادت کرے تو ہیچ اور بیکار ہے اور اگر ایک ساعت کسی کامل کی صحبت مین گذارے تو وہ حق تک پہونچا

بیت

یک زمانے صحبت با اولیا	بہتر از صد سالہ بودن در تقا

اور طالب پر فرض ہے کہ انسان کامل کی صحبت اختیار کرے اور اگر اتنا نہو سکی تو ادنے درجہ یہ ہے کہ جسکو فقیرون کے لباس مین دیکھی اوس کی ضرور خدمت اور عظمت بجالاوے اور اوس کا ملازم ہنجاوے بقول شیخ سعدی -

بیت

ہر کرا جامہ پارسا بینی	پارسا دان و نیک مرد انگار

اور اہل دل اہنین جاہلون کے گروہ مین مخفی ہین اور ہمیشہ ان مین بسر کرتے ہین مگر آنکھہ چاہئے کہ اُن کو پہچانے جیسا کہ سعدی نے فرمایا

اشعار

زتاج ملکزادۂ در ملاج	شبی لال افتادہ در سنگلاخ
پدر گفت اندر شب تیرہ رنگ	چہ دانی کہ گوہر کدام ست و سنگ
ہمہ سنگہا پاسدار اے پسر	کہ لعل از میانش نباشد بدر
چو پاکیزہ نقشان صاحبدلان	بیامیختہ جملہ با جاہلان
در او باش پاکان شوریدہ رنگ	ہمان جای تاریک لال ست و سنگ

اور انسان کامل اس زمانہ مین گوگرد احمر اکثیر اعظم جام جہان نما اور آئینہ سکندر اور عنقاے قاف ہین - + - اور اے طالب جب تک تو انسان کامل کی جستجو نکریگا اور اسکو نہ دریافت کریگا انسان کامل نہو سکیگا - اور انسان کامل کا دریافت کرنا بہت مشکل ہے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے

دریہ کام بڑا ہے اور عمر کم ہے اور راہ دور و دراز ہے پس
بہتر ہے کہ اون کی کتابوں کا مطالعہ کرے اور عمل کرے تاکہ
چشم روشن ہو جاوے اور شاید کہ انسان کامل کو پہچان لیوے
پس بہر طور ایک چراغ ان کے کلام کا پڑھنا چاہیے کیونکہ قلم مشائخ کا
تابع دل ہے اور دل تابع حق ہے پس قول مشائخ کا حق ہے
کیونکہ جو کچھ حق چاہتا ہے اونکا دل چاہتا ہے اور زبان کہتی ہے
اور قلم لکھتا ہے۔ پس کلام اون کا کلام حق ہے۔ اور جس
اون کے کلام کو پڑھا تو گویا حق کے کلام کو پڑھا اور
اون کے ہم صحبت رہا۔

مثنوی

چونکہ شد خورشید ما را کرد داغ	در مقامش چارہ سود جز چراغ
چونکہ گل بگذشت گلشن شد خراب	بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

جاننا چاہیے کہ کلام مشائخ کا حیات بخش ہے اور آب حیات
عبارت اس سے ہے کیونکہ آب حیات تاریکی و ظلمات میں
ہے اور یہی حروف کی سیاہی میں ہے اگر کوئی طالب تو پڑھیگا
اور سمجھیگا تو زندہ جاوید ہوگا اور خصوصاً یہ کتاب حیات محض
ہے کیونکہ اسمیں وہ عروس معنی لباس عبارت پہنا کر دکھلائی
گئی ہے کہ جس کا ذکر دل سے کوئی زبان تک نہیں لاتا ہے

بیت

انچه مردم از مشقت آورند		بالیقین من رایگان آورده ام

جاننا چاہیے کہ مقصود تمام طالبون کا یہ ہے مگر لوگ راہ چلتے ہیں
اور منزل کو نہیں جانتے اسلئے مین نے چاہا کہ فیض اشکارا ہو جاوے
اور سب کو منزل معلوم ہو جاوے اس لئے یہ کتاب بزبان اردو
عبارت سلیس مین لکھی گئی اور لغات کو ترک کیا تاکہ پڑھنے مین
دشواری نہو۔ جاننا چاہئے کہ تمام آدمی اس باب کو نہیں جانتے
ہین اور اگر جانتے ہین تو چھپانے مین کوشش کرتے ہین مگر مین
نے جب دیکھا کہ لوگ اس زمانہ مین بہت گمراہ ہو چلے اور
طریق اختیار کیا اس سبب سے اس راز کو ظاہر کر دیا اور
اور صاف صاف تحریر کر دیا تاکہ ہر شخص سمجھ لے ۔ اور فی الحقیقت
تمام کو مین نے خود دیکھا ہے اور جانتا ہون کہ مین غیر نہین ہون
پس اس معنی مین اپنے لئے کہا ہے نہ کہ دوسرے کے لئے ۔

غزل

چون بدیدم خویش را در ابتدا من بوده ام
چند گاہی بوده ام از خود طلبگار خدا
در تحیر مانده ام آنکه لعین چون خدا است
رفته اندر فکر لیکن مردم حیران من اند
مصطفےٰ گویند گشت اندر جہان ختم الرسل
گاه آدم گاه نوح و گاه موسیٰ گہہ خلیل
گہہ سکندر گہہ سلیمان گاه داؤد نبی

درمیان ہم نیست جز من این تنہا من بوده ام
چونکه در یا فتم دیدم خدا من بوده ام
فکر چون کردم مگر بالله خدا من بوده ام
فکر چون حل گشت دیدم جملہ را من بوده ام
ختم شد بالله ولیکن مصطفےٰ من بوده ام
گاه یونس گاه یوسف جملہ جا من بوده ام
عیسیٰ و یحییٰ و ہود و ذکریا من بوده ام

در حقیقت چون نگہ کردم وجود جملہ را — عرش و کرسی از ثریا تا ثری من بودہ ام
در درون و در نہان و در عیان آشکار — بر و بحر و جملہ بازار و سرا من بودہ ام
جہل و علم و رنج و راحت فقر و گنج و کیمیا — علت و معلول دارو درد و اس بودہ ام
سندارعہ تماقد اکبر جز نام نہ دید — چون بدیدم خویشتن را کیمیا من بودہ ام

پرانیہ مستقت بیاران اسرار ربانی کو بلباس حروف ظاہر کیا ہے تاکہ تمام بے چشم ملاحظہ کرین اور دوئی دور ہو جاوے اور شک و گمان دل سے جاتا رہے۔ اور ضرور بالضرور یہ سر بھی طالب کو معلوم ہو جاوے گا کہ مین کیا ہون اور یہ عالم کیا ہے اور اور اسی معنی مین غزل تصنیف حضرت نثار اکبرآبادی کی ملاحظہ فرماوے

غزل

حسن قدم حدوث میں جلوہ نما ہوا — آپ ذات باصفات ہوئی آمدہ ہوا
دریا سے قطرہ قطرہ سے دریا جدا ہوا — جو راز مخفی تھا سو اب برملا ہوا
چاہا کہ دیکھے حسن طرحدار کی بہار — آپ اپنے دیکھنے کے لئے آئینہ ہوا
جلوہ دکھایا صورت آدم میں آنکر — پایا سر نیاز ملایک جھکا ہوا
روشن ہے صاف صاف تجلی تو دی — سب جانتا ہیں طور یہ جو ماجرا ہوا
ادریس و شعیب و نوح براہیم ہود و لوط — ثابت رہا ہر ایک ہی سے ثنا ہوا
جھکا جو آنکر یہ کنعاں کی شکل میں — شہرہ جمال یوسفی کا جا بجا ہوا
اعجاز کی طرف جو کیا میل یار نے — مردے جلائے عیسی معجز نما ہوا
آخر وہی جمیل جمیلوں کے شوق میں — آیا عرب میں میم کے اندر چھپا ہوا
پھر یک بیک رجوع ہوئے اصل کی طرف — عارم ہوئے وصال وہ معراج کا ہوا

دیگر

مجھی ہجو دیکے وصالین جو پلای جام سحر تلک
وہ نشا ہجو دہی چہاگیا کہ رہی نہ مجھکو خبر تلک

مجھی جب سے جلوہ دکہا دیا بخدا کہ مست بنا دیا
جو مین جام او سنے پلا دیا نرہا دوئی کا اثر تلک

وہ پلای ساغر آتشین کہ جلا یا میرا تن حزین
بہڑک اٹہی آگ یہ پہر وہین کہ جلایا جان جگر تلک

تقریظ از نتایج طبع شیخ محمد نور اللہ سکنہ جالیسر ضلع ایٹہ

ہزاران ہزار شکر پروردگار عالم کو کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ اور صنعت بالغہ ہیژدہ ہزار عالم کو کتم عدم سے جلوہ گاہ شہود مین لایا اور وحدت کو کثرت مین لانی کی غرض سے نور جناب رسالتمآب حضرت خواجہ سرور عالم یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور سے مشتق فرمایا اور اوس نور سراپا سرور سے ہر موجودات کے آئینہ مین لیلی قدم کا سونہہ دکہایا اور جملہ مخلوق سے بنی آدم کو اشرف المخلوقات بنایا اور اقلیم ذہانت وحذاقت و بلاغت کو اوسکی قبضہ تصرف مین و دیعت رکہا اور اوسنے اپنی کلام بلاغت نظام کے ذریعہ سے ذات واحد قادر مطلق کا موجود ہونا تمامی اشیای مین ثابت کر دکہایا اور جو ہر موجود کو اوس ذات بیچون اوپی مانند کا آئینہ ٹہرایا چنانچہ اس زمان فرخی نوامان ۱۳۱۶ ایکہزار تین سو سولہ ہجری مین جناب منشی من موہن لعل سیکرٹری جنگی مہر استوطن شہر کول ضلع علیگڈہ نے کتاب بلاغت لقاب مرات الوحدت جو مصنفہ حضرت خواجہ سیف الدین ولد خواجہ نظام الدین برلوی کی ہے اوسکو اس خوبی کے ساتہہ اردو مین ترجمہ فرمایا ہے کہ علم معرفت اور حقیقت کا مرقع کہینچدیا ہے واقعی اہل لقعوعت کو آئینہ حق نما ہے اور کورباطن تیرہ درون کو کہل مازاغ البصر

ہے اور نام ہی اوسکا اسم باسمیٰ ہے یعنی جناب مترجم صاحب نے آئینۂ حقیقت نام رکہا ہی یہ اوسی ذات واعلیٰ کی قدرت کا نمونہ ہی جسکو جملہ مخلوق نے ایسا معبود مانا ہی بقول مولانائے نظامی گنجوی

بیت

گہ ار ہی بلبل رست جانۂ	گہی آشنائی رحیکانۂ

اللہ اللہ کیا تحقیق اور تلاش دلکش کیسے فکر اور جست وجو ہے کہ ہر موی تن کو ہر وقت حق و باطل کی گفتگو ہے پہر کیوں نہ ایسے لوگوں کا انجام بخیر ہو اور کیوں نہ اون پر نزول رحمت رب قدیر ہو کہ نام پاک اوسکا رب العالمین ہے اور یہ دوہا کسی نے خوب لکہا ہی۔

دوہا

ذات پات پوچہی نہیں کوے	ہر کو بہجی سو ہر کا ہوے

احقر العباد اصغر الافراد عاصی محمد نور اللہ جالیسری کہ حدمت میں جناب خواجہ محمد یوسف علیخان صاحب متوطن رامپور وارد وقت کچہری جنگی شہر اکہ مرد درویش باقناعت ہیں تعرف رکہتا تہا حسب فرمایش جناب شاہ صاحب موصوف چند سطر بطریق تقریظ تحریر کرکے یا ادائے شکریہ کی گئیں کہ یادگار رہے۔

تاریخ از نتیجۂ افکار بابو چہوٹے لعل صاحب وکیل عدالت کلکٹری شہر متخلص وکیل

تا در کتاب ہے یہ عمدہ ہی یہ صحیفہ	ہے دفتر معانی آئینۂ حقیقت

لکھدو وکیل اسکی تاریخ از سرالتنس | شیرین مقال عرفان گنجینہ حقیقت
۱۸۹۶ع

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار سید اسناد علی مختار عدالت کلکٹری متھرا متخلص بہ شور از متھرا

آئینہ حقیقت مطبوع شد چہ دلکش | تازہ گلے شگفتہ در گلشن طریقت
تاریخ سال طبعش ای شور چون بجستم | آمد ندا از گردون نیک اختر حقیقت
۱۸۹۹ع

دیگر

طبع آئینہ حقیقت گشت | طالع شد آفتاب عرفانی
چون دل عارفان ز انوارش | گشت پر نور بزم امکانی
دل آگاہ وقت فکر سخن | گفت سالش چراغ ایمانی

تمت

التماس آخری

ناظرین باتمکین کی خدمت مین دست بستہ التماس ہے کہ کتاب مرۃ الوحدت جسکا یہ آئینہ حقیقت ترجمہ ہے ایک درویش سے دستیاب ہوئی۔ چونکہ قلمی نہی اور کتاب نایاب درویش ممدوح اوسکو مثل تعویذ ہر وقت پیش نظر رکہتے بہ ہزار منت وسماجت شبانہ روز کے مطالعہ کے لئے عنایت ہوئی کہ اوسی وقت مین قلم برداشتہ نقل کرائی گئی نہایت قلیل وقت مین اس ضخامت کی کتاب کا نقل کرنا ہی ایک کار اہم تہا